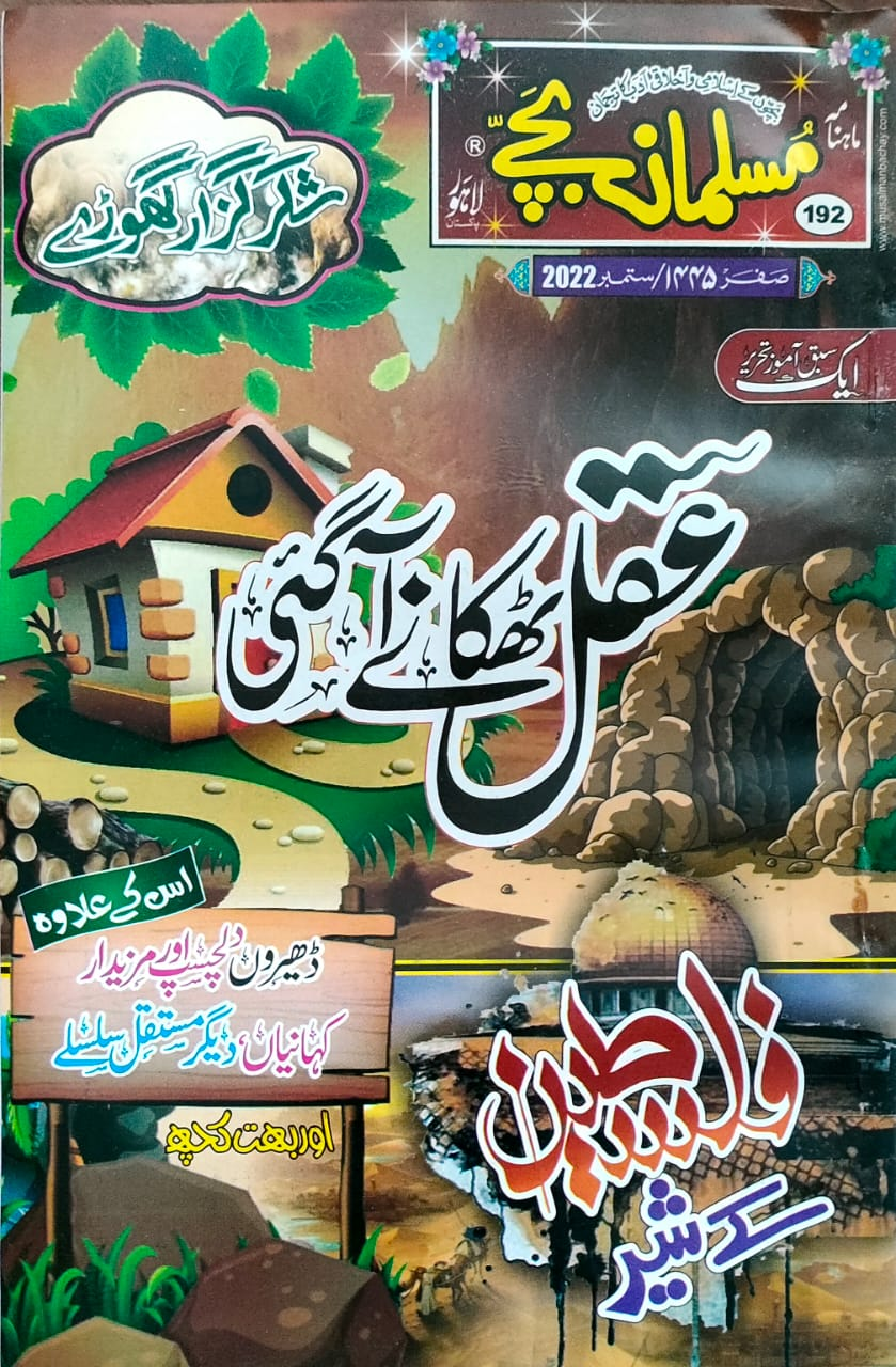


ماہنامہ
مسلمان بچے ®
بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان
لاہور پاکستان
192
www.musalmanbachay.com
صفر ۱۴۴۵ / ستمبر 2022
شکر گزار گھوڑے
ایک سبق آموز تحریر
عقل ٹھکانے آگئی
اس کے علاوہ
ڈھیروں دلچسپ اور مزیدار
کہانیاں، دیگر مستقل سلسلے
اور بہت کچھ
فلسطین کے شیر

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی
تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

صفر المظفر ۱۴۴۵ھ بمطابق ستمبر 2023ء

شمارہ: 2 جلد: 17

قیمت فی شمارہ: 70 روپے
سالانہ زرِ تعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبہ ابنِ مبارک

37۔حق سٹریٹ
اردو بازار۔لاہور
موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں







اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

رات اور دن کے آنے جانے میں اور جو چیزیں اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ڈرتے ہیں۔ البتہ جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہوئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ بسبب اس کے جو کرتے تھے۔ (یونس)

حمد باری تعالیٰ

واحد ہے ، بے نیاز و بے اولاد و آل ہے
تو ربِ کائنات ہے اور ذوالجلال ہے
ہر شے میں اس جہاں کی جو حسن و جمال ہے
تیری ہی صنعتوں کا یہ روشن کمال ہے
احسن ہے کون تیرے سوا خالقین میں
کاریگری میں تیری بڑا اعتدال ہے
سیارے سارے رہتے ہیں اپنی حدود میں
شمسی و قمری نظم ترا بے مثال ہے
اک دوسرے کو لے نہیں سکتے گرفت میں
سیار گان میں کہاں اتنی مجال ہے
قائم ہے تیرے حکم سے ہی ان کی گردشیں
ورنہ یہ کام اصل میں امرِ محال ہے
وہ التجا ہے حسبِ ضرورت ہی دے اسے
ساحل کا تیرے آگے جو دستِ سوال ہے

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا (1) اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو (2) دوسرے یہ کہ فقط اللہ کے لئے کسی سے دوستی رکھے (3) تیسرے یہ کہ دوبارہ کافر بننا اس کو اتنا ناگوار ہو جیسے آگ میں جھونکا جانا۔ (صحیح بخاری)

نعت رسول مقبول ﷺ

نبی کا رُخ نور بار اللہ ، اللہ
رسالت کا یہ شاہکار اللہ ، اللہ
خیال نبی کی بہار اللہ ، اللہ
تجلی کی جیسے پھوہار اللہ اللہ
ہیں سلطاں مگر بے نواؤں کے حامی
بایں شان یہ انکسار اللہ ، اللہ
تجلی ہے معراج والے کی دل میں
میری حسرت باوقار اللہ اللہ
شمیم گل باغ جنت ہو جیسے
وہ اللہ کے پیارے کا مینار اللہ اللہ
خطاؤں کے بدلے ہیں ، پیہم عطائیں
یہ ہیں بخششیں بیشمار اللہ اللہ
مئے حُبِّ احمد سے بے خود ہوں عبرت
میرا نشہ بے خمار اللہ ، اللہ

شاعر: جناب عبرت صدیقی



ایک دُعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

ترجمہ: اے اللہ! تو مجھے کافی ہو جا اپنے حلال کے ساتھ اپنی حرام کردہ چیزوں سے اور مجھے بے نیاز کر دے اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے۔

ترمذی

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا سَھْمَ فِی الْاِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اسلام میں کوئی بھی حصہ نہیں اُس شخص کا جو نماز نہ پڑھتا ہو۔

المستدرک للحاکم

مغرب کے صنم خانے

انتخاب: ولیجہ شاہد، خدیجہ شاہد رحیم یار خان

مغرب کے صنم خانوں کے فنکار عجب ہیں
تہذیب ترو تازہ کے شہکار عجب ہیں

بیتابیٔ دل اور سے ہے اور زیادہ
اس جلوہ گہ ناز کے انوار عجب ہیں

اعزاز، جرائم کے ترازو میں تُلے ہیں
اے شہر ستمگر! تیرے بازار عجب ہیں

چوروں کی عدالت میں شریفوں کو سزائیں
اس دور میں انصاف کے معیار عجب ہیں

انجام گنوا بیٹھے ہیں آغاز کی دھن میں
اس درد کہانی کے یہ کردار عجب ہیں

حیرت ہے کہ ترغیب شجاعت نہیں دیتے
اس امت مرحوم کے سالار عجب ہیں

مقتل کی نہ ہی رسم حنائی کی تمنا
لیلائے شہادت کے طلبگار عجب ہیں

غم دیتے ہیں پھر خوار بھی کر دیتے ہیں انورؔ
اے بزم محبت تیرے غمخوار عجب ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

ایک شہسوار قلم کے لیے مطالعہ اتنا ضروری ہے جتنا انسانی زندگی کی بقاء کے لیے دانا اور پانی کی ضرورت ہے، مطالعہ کے بغیر قلم کے میدان میں ایک قدم بھی بڑھانا بہت مشکل ہے۔

موجودہ زمانے میں جن مفید اور موثر چیزوں کو ہم نے ترک کر دیا ہے اس میں ایک مطالعہ بھی ہے۔ الیکٹرونکس کی نت نئی ایجادات خصوصاً سمارٹ موبائل نے ہمارے بچوں کو اچھی اور معیاری کتب سے دور کر دیا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہم صرف نصابی کتب کو ہی اگر رغبت اور شوق سے پڑھ لیں تو یہ بھی غنیمت ہے کجا کہ غیر درسی کتب کی طرف ہمارا دھیان جائے۔

حالانکہ مطالعہ اہل علم کے لئے ایسے ضروری ہے جیسے پیاسے کو پانی کی ضرورت۔ مطالعہ ایک ایسی دوربین ہے جس کے ذریعے انسان دنیا کے گوشہ گوشہ کو دیکھتا رہتا ہے، مطالعہ ایک طیارے کی مانند ہے جس پر سوار ہو کر ایک مطالعہ کرنے والا دنیا کے چپہ چپہ کی سیر کرتا رہتا ہے اس سے اس کے علم وعمل میں ایک نکھار پیدا ہو جاتا ہے جو اس کے اندر خود اعتمادی میں بے پناہ اضافہ کرتا ہے۔

یاد رکھو بچو! کتاب سے زیادہ بہترین ساتھی کوئی نہیں۔ اس لئے کتاب کی طرف واپس لوٹنا ہو گا۔

چند امور کی طرف خاص توجہ رہے مثلاً

☆ ہر مہینے اپنی پاکٹ منی بچا کر ایک اچھی اور معیاری کتاب خریدنے کی عادت اپنائیں۔

☆ ہر روز کا معمول بنائیں کہ کم از کم دس صفحات روزانہ مطالعہ کی عادت ڈالیں۔

☆ مطالعہ ایسی کتابوں کا ہو جو نگاہوں کو بلند، سخن کو دل نواز اور جاں کو پر سوز بنا دے اگر مطالعہ فکر کی سلامت روی، علم میں گیرائی اور عزائم میں پختگی کے ساتھ ساتھ فرحت بخش اور بہار آفریں بھی ہو تو اسے صحیح معنوں میں مطالعہ کہا جائے گا۔

☆ مطالعہ کو اس لئے چھوڑ نہیں دینا چاہیے کہ یاد نہیں رہتا۔ مطالعہ جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی جلد محفوظ ہوگا اور تیز ہوگا اس لیے کتب بینی کو سست روی یا یاد نہ رہنے کی وجہ سے ترک نہیں کرنا چاہئے۔

☆ مطالعہ کے ساتھ ساتھ حاصل مطالعہ کو ذہن نشین کرنے کی تدبیر بھی ضروری ہے۔ علم و معلومات کی مثال ایک شکار کی سی ہے لہٰذا اسے فوراً قابو میں کرنا چاہیے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "علم ایک شکار کی مانند ہے کتابت کے ذریعے اسے قید کرلو" اس لیے مطالعہ کے دوران قلم کاپی لے کر خاص خاص باتوں کو نوٹ کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے ورنہ بعد میں ایک چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ نہیں ملتی ہے۔ اب یا تو سرے سے بات ہی ذہن سے نکل جاتی ہے یا یاد تو رہتی ہے لیکن حوالہ دماغ سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے کوشش کرنا چاہیے کہ کوئی بات ذہن نشین کرنی ہو تو اس کو نوٹس کی صورت لکھ لیا جائے۔

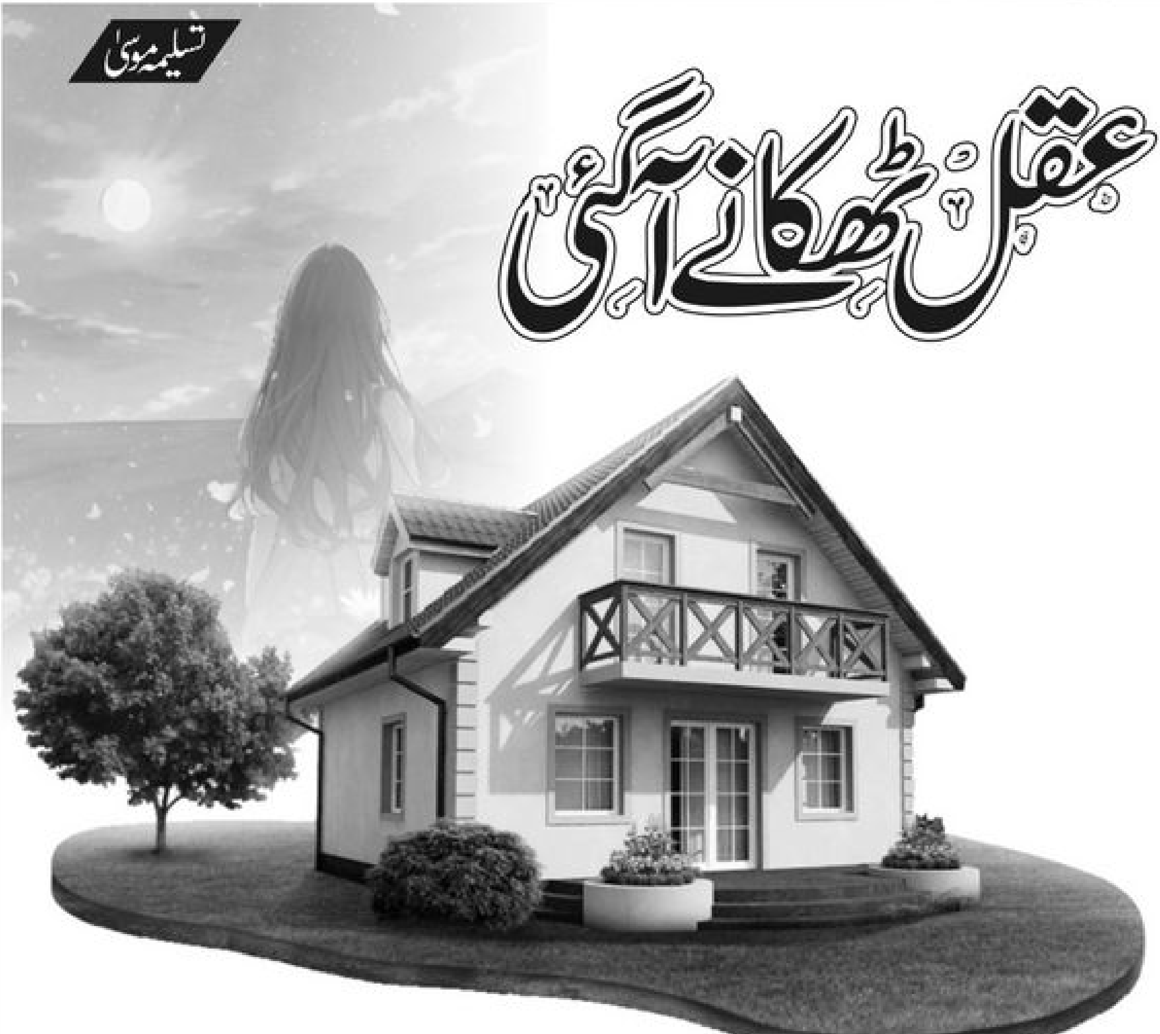
اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

ابوعروہ

عقل ٹھکانے آ گئی

تسلیمہ موسیٰ



سارا جونہی سکول سے گھر میں داخل ہوئی تو وہ بیگ چار پائی پر اچھالتے ہوئے چلا کر بولی:

''امی! کھانا لائیں بھوک لگی ہے''

اس کے پیچھے اس کے دو چھوٹے بھائی علی اور حمزہ گھر میں داخل ہوئے، اس کی والدہ کمرے سے باہر آئی۔

''کیوں چلاّ رہی ہو سارا؟''

''امی! کھانا لائیں بہت بھوک لگی ہے''

''بیٹا! بلانے کا بھی ایک انداز ہوتا ہے''

''ہاں! تو آپ آہستہ آواز سے سنتی کہاں ہیں؟ ''وہ بدتمیزی سے بولی

''میں اندر منی کو سلا رہی تھی''

''اچھا چھوڑیں! مجھے کھانا دیں! بھوک سے بُرا حال ہے''

''پہلے یونیفارم تو اتار لو! اور ہاتھ دھوآؤ! میں کھانا لگاتی ہوں''

''امی! میں ادھر ہی ہاتھ دھولوں گی، جانے کی کیا ضرورت ہے'' سارا مسکرائی

امی افسوس سے سر ہلاتی ہوئی کچن میں چلی گئیں۔ حمزہ اور علی کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ حمزہ اور علی دسترخوان پر آبیٹھے۔

''امی! کھانا لے آئیں! سارا پھر چلاّئی

تبھی اس کی والدہ کھانا لے آئیں، کدو کا سالن دیکھ کر سارا نے منہ بنالیا۔

''کدو کا سالن! امی آپ کو پتہ بھی ہے کہ مجھے کدو پسند نہیں ہیں''

''بیٹا! ناشکری نہیں کرتے جو ملے کھا لیا کرو!''

''امی! میں نے نہیں کھانا، آپ نے گوشت کیوں نہیں بنایا؟''

''ہر روز تو گوشت پکتا ہے اگر ایک دن سبزی کھالی تو کون سی قیامت آگئی''

''میں نے نہیں کھانا بس! آپ مجھے انڈہ فرائی کر کے دیں! ورنہ کدو تو میں ہرگز نہیں کھاؤں گی'' وہ بدتمیزی سے بولی

اس کی والدہ سارا کی ضد سے واقف تھیں، اس لئے مجبوراً انہیں انڈہ فرائی کر کے دینا پڑا۔ یہ ہر روز کا معمول تھا، وہ ماں باپ کی لاڈلی تھی۔ مگر اس کی ضد اور بگڑتی ہوئی عادتوں کی وجہ سے اس کے ماں باپ بہت پریشان تھے۔ انہی دنوں میں سارا کی پھپھو ان سے ملنے آئیں، پھپھو کی آمد سے سارا بہت خوش ہوئی تھی۔

پھپھو سارا کی تمام حرکتیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ ماں سے اکثر بدتمیزی کر جاتی تھی، چھوٹے بھائیوں سے بھی لڑتی جھگڑتی رہتی تھی اور تو اور سارا کی ناشکری کی عادت تو پھپھو کو تپا ہی گئی، وہ ہر کھانے میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور نکالتی تھی۔

پھپھو اسے پیار سے سمجھاتیں کہ بیٹا اللہ کے رزق کی بے قدری و ناشکری نہیں کرتے، جو ملے صبر و شکر کے ساتھ کھالیا کرو۔

پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی کھانے میں عیب جوئی نہیں کی چاہتے تو کھالیتے اور نہ چاہتے تو چھوڑ دیتے۔

سارا ایک کان سے سنتی اور دوسرے سے نکال دیتی۔ اس کی پھپھو کو سارا کی ان حرکتوں کی وجہ سے بہت غصہ آتا تھا مگر وہ کسی مصلحت کے تحت خاموش ہوجاتیں۔ سارا کی امی اور پھپھو کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ حمزہ کے رونے کی آواز آئی۔ امی اور پھپھو باہر نکل آئیں۔

''کیا ہوا بیٹا؟ حمزہ کیوں رو رہے ہو؟''

''امی! سارا باجی نے مجھے مارا''

سارا بیٹا! کیوں چھوٹے بھائی کو مارا ہے؟

''امی! سمجھائیں اسے اس نے میری ہوم ورک کی کاپی پھاڑ دی ہے، میں نے بھی اسے دو رکھ کے تھپڑ ماری ہیں'' سارا بدتمیزی سے بولی

''بیٹا! یہ چھوٹا ہے، اسے کیا پتہ''

''ہاں! کھانے کا پتہ ہوتا ہے مگر کاپی کا نہیں، خبردار جو آئندہ میری چیزوں کو ہاتھ بھی لگایا تو؟''

''بری بات ہے سارا! اس طرح بات کرتے ہیں؟'' پھپھو نے اسے سمجھانا چاہا

''اسے بہن بھائیوں اور ماں باپ کی کیا قدر، جب یہ نعمتیں چھن جائیں گی تب اسے ان کی قدر

معلوم ہوگی۔

انسان تب تک بے قدرا ہی رہتا ہے، جب تک اس کے پاس ہر چیز ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ چھین لیتا ہے تب قدر ہوتی ہے مگر تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔''

امی نے ایک غصیلی نگاہ سارا پر ڈالی اور حمزہ کو لے کر کمرے میں چلی گئی۔ پھپھو افسوس سے سارا کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کچھ سوچا اور مسکرا دی۔

سارا کو گرمیوں کی چھٹیاں ملیں تو وہ بہت خوش ہوئی۔ پھپھو نے کہا کہ سارا اس کے ساتھ چند دنوں کے لیے اس کے گھر آئے تو سارا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

والدین نے اجازت دے دی، وہ پھپھو کے ساتھ روانہ ہوئی۔ وہ بس میں بیٹھی یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ چلو چند دن حمزہ، علی اور منی سے جان تو چھوٹے گی، میں آمنہ، یاسر اور احمد سے کھیلوں گی، بہت مزہ آئے گا، وہ پھپھو کے ساتھ بس سے اُتر گئی۔

پھپھو اسے لے کر پیدل ہی روانہ ہوئی۔ گھر کافی دور تھا، پیدل چلتے ہوئے سارا کی ٹانگیں درد کرنے لگیں تو سارا نے پھپھو سے کہا: پھپھو کوئی رکشہ کرالیں۔

''تمھیں پتہ بھی ہے کہ کرایہ کتنا مہنگا ہوگیا ہے، چلو پیدل پہنچ ہی جائیں گے''

سارا تو پھپھو کا بدلا انداز دیکھ کر حیران ہوگئی تھی، وہ جو آتے ہوئے اس کے ماں باپ سے کہہ رہی تھیں کہ وہ سارا کا بہت اچھے طریقے سے خیال رکھیں گی اور پھر یہ پھپھو کا کون سا چہرہ تھا وہ شش و پنج میں مبتلا ہوگئی۔

وہ گھر میں داخل ہوئیں تو پھپھو نے اپنی چادر سے پسینہ صاف کرتے ہوئے آمنہ کو آواز لگائی، آمنہ جھٹ سے پانی کا گلاس لے کر آگئی۔

''امی! آپ آگئیں؟''

''جی بیٹا!'' پھپھو چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی سارا آمنہ سے ملی۔ ابھی آمنہ سارا سے حال احوال پوچھ ہی رہی تھی کہ پھپھو نے آمنہ کو خالی گلاس پکڑاتے ہوئے کہا:

''جاؤ! آمنہ اپنا کام کرو!''

''جی امی!'' آمنہ وہاں سے چلی گئی

''پھپھو! پانی پینا ہے'' سارا نے ڈرتے ڈرتے کہا

''ہاں تو جا کر کچن سے پی آؤ! یا پھر میں جا کر لے آؤں؟'' سارا تو دنگ ہی رہ گئی تھی کہ یہ وہی پھپھو ہیں، جو آتے وقت کہہ رہی تھیں کہ وہ سارا کا خیال آمنہ کی طرح رکھیں گی۔ سارا نے کچن میں جا کر پانی پیا اور کمرے میں آ کر سوگئی۔

وہ جب نیند سے اٹھی تو بے اختیار چلائی:

''امی! کھانا لائیں بھوک لگی ہے۔''

مگر پھر یاد آیا کہ اس وقت وہ پھپھو کے گھر میں ہے، وہ کمرے سے نکل کر باہر آئی اور

پھپھو سے بولی:
"پھپھو! مجھے بھوک لگی ہے"
پھپھو نے کہا: کھانے کو ابھی کچھ نہیں ہے رات کو پکے گا تو کھالینا۔
"مگر پھپھو مجھے بھوک لگی ہے کیا کھاؤں؟"
"مجھے کھاؤ!" پھپھو غصے سے بولیں
سارا تو ڈر ہی گئی۔ وہ صحن میں چلی آئی۔ آمنہ صحن کی صفائی کر رہی تھی، وہ سوچنے لگی کہ رات تک کیسے انتظار کروں؟ وہاں تو امی سے کہتی تھی اور کھانا حاضر ہو جاتا تھا۔ میں نے جیسا سوچا تھا یہاں تو ہر چیز اس کے برعکس ہے۔ آمنہ سارا دن کاموں میں مصروف رہتی ہے اور احمد اور یاسر باہر کھیلنے نکل جاتے ہیں۔
رات کے کھانے میں کدو کا سالن تھا۔ سارا نے کہا پھپھو مجھے کدو پسند نہیں ہیں۔
"تو پھر میں کیا کروں؟ کھانا ہے تو کھاؤ، نہیں تو تمہاری مرضی"
سارا نے وہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا اور کمرے میں چلی آئی۔ پیچھے پھپھو کیسا تھ، آمنہ، احمد اور یاسر مسکرائے تھے۔
سارا کو سخت بھوک لگ رہی تھی، اس نے سوچا کہ کدو کا سالن ہی کھالیتی اب کیا کروں؟ اس نے بھوک سے مجبور ہو کر آمنہ سے جا کر کھانا مانگا تو اس نے کہا کہ کھانا تو ختم ہو چکا ہے، سارا مایوس سی کمرے میں لوٹ آئی۔
تبھی پھپھو کمرے میں داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھی، جس کا منہ اوپر دوسری پلیٹ رکھ کر ڈھک دیا گیا تھا۔
"یہ لو کھالو!"
"یہ کیا ہے پھپھو؟"
پھپھو مسکرائی اور پلیٹ ہٹائی تو نچلی پلیٹ میں لڈو تھے۔ لڈو دیکھ کر سارا کی بھوک چمک اٹھی۔ اس نے جھٹ پٹ لڈو اٹھالیا۔
مگر یہ کیا؟ لڈو میں جگہ جگہ سے چھوٹے سوراخ تھے۔ سارا نے پوچھا، پھپھو یہ لڈو میں سوراخ کیوں ہیں؟
پھپھو مسکرائی، بیٹا دراصل دو ہفتے پہلے تمہارے پھوپھا کو دفتر میں کسی دوست نے مٹھائی دی تو میں نے اسے الماری میں چھپا دیا تھا کل آمنہ نے الماری صاف کی تو دیکھا کہ کالے موٹے چیونٹے مٹھائی کھا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ ضائع کیوں کروں۔ چیونٹے جھٹک کر تمام لڈو صاف کر کے تمہارے پاس لے آئی۔ یہ لو بیٹا کھاؤ، بہت مزے کے ہیں۔
یہ سننا تھا کہ سارا کی آنکھیں بھر آئیں وہ لڈو واپس پلیٹ میں رکھ کر کمرے سے بھاگ گئی۔ پیچھے پھپھو کی ہنسی بے ساختہ تھی۔
وہ باہر آ کر رو رہی تھی وہ یاد کر رہی تھی کہ کیسے وہ اپنے گھر میں کھانوں میں عیب نکالا کرتی تھی۔ ادھر تو ایک دن میں ہی اس کی عقل

ٹھکانے آگئی تھی۔اس کی نظر سامنے صحن میں کھیلتے احمد اور یاسر پر پڑی تو اسے بے اختیار علی، حمزہ اور منی یاد آگئے تھے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔جو سلوک اس کیساتھ ہورہا تھا، اس کا دل کیا کہ گھر واپس بھاگ جائے۔

دوسرے دن پھپھو فون پر سارا کی امی سے بات کر رہی تھی کہ سارا ادھر بہت خوش ہے۔

سارا جلدی سے پھپھو کے پاس آئی اور فون لیکر وہ امی سے رو رو کر کہنے لگی کہ اسے یہاں سے لے جائیں! سارا کو یوں روتا دیکھ کر امی تو تڑپ ہی گئیں۔

''امی! مجھے یہاں سے لے جائیں! میں کبھی آپ کو تنگ نہیں کرونگی، حمزہ اور علی سے بھی نہیں لڑونگی اور کھانے میں بھی نقص نہیں نکالونگی۔''

کل صبح ہی سارا کا ابو اسے واپس لے آیا۔وہ گھر آتے ہی امی سے لپٹ کر خوب روئی اور معافی بھی مانگی، حمزہ، علی اور منی کو خوب پیار کیا۔

سارا واقعی بدل گئی تھی۔شام کو پھپھو کا فون آیا تو سارا نے پوچھا، امی کون ہیں؟ امی نے مسکرا کر کہا تمہاری پھپھو ہیں کہہ رہی ہیں کہ اگر سارا بور ہو رہی ہے تو اسے میرے پاس بھیج دو۔

''نہیں امی ی ی!'' وہ خوف سے ماں سے لپٹ گئی۔جیسے پھپھو نہیں بلکہ کسی بھوت کے پاس جا رہی ہو۔

پھپھو کی اس کوشش سے سارا کی عقل ٹھکانے آگئی تھی۔سارا کی والدہ اور والد پھپھو کے بہت ممنون تھے۔

آج پھپھو احمد، آمنہ، یاسر اور پھوپھا کیساتھ آئی تھی۔سارا تو پھپھو کو دیکھ کر ڈر ہی گئی تھی۔پھپھو نے اسے بلا کر پیار کیا۔

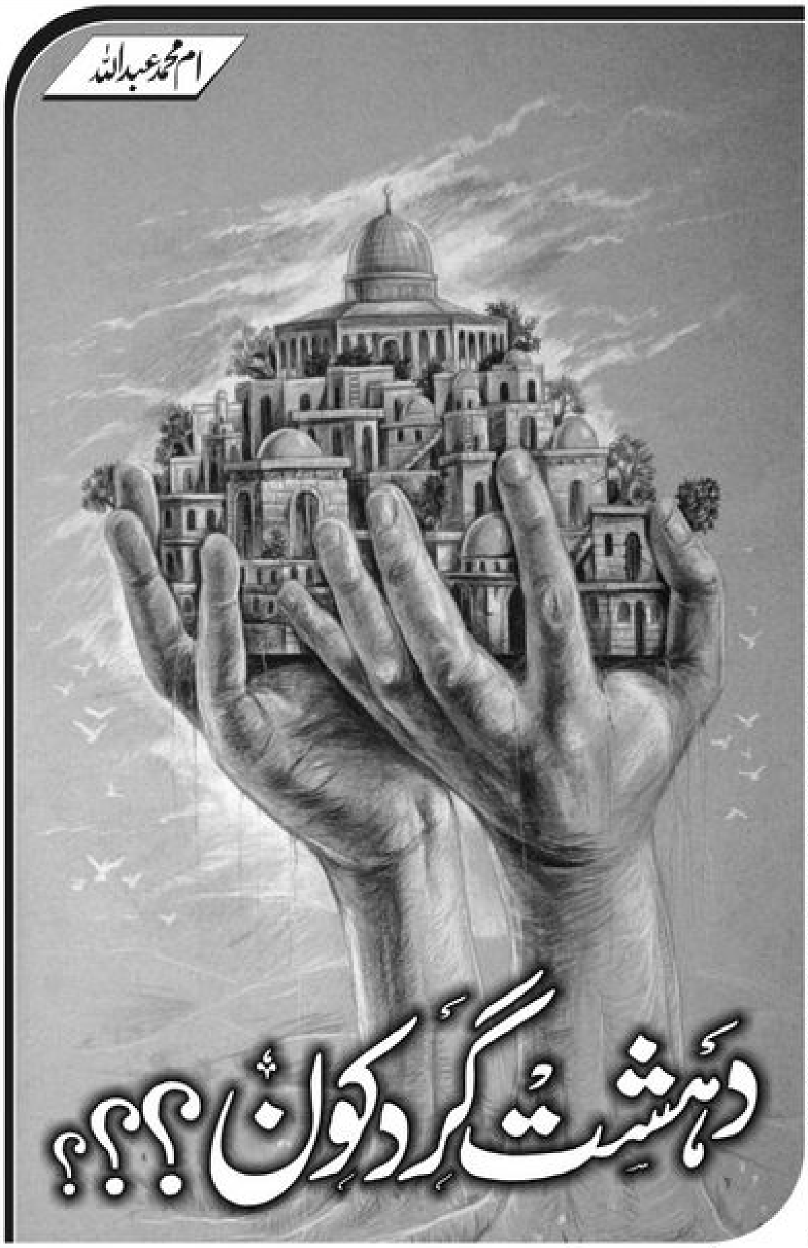
آج آمنہ، یاسر اور احمد بھی بدلے ہوئے تھے۔دراصل یہ پھپھو کی طرف سے بنایا گیا پلان تھا۔وہ سارا کی عادتوں کیوجہ سے پریشان ہوگئی تھی پھر اس نے ایک پلان بنایا تاکہ سارا کی عقل ٹھکانے آجائے، سارا کے والدین بھی اس پلان میں شامل ہو گئے تھے۔پھپھو نے فون کر کے آمنہ، احمد اور یاسر کو بھی بتا دیا تھا کہ وہ لوگ کچھ اس طرح کا رویہ رکھیں کہ سارا کو احساس ہو جائے اور پھر پھپھو کی یہ کوشش کامیاب ہوگئی۔آج وہ اس بدلی ہوئی سارا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی جو امی کیساتھ کاموں میں ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور کدو کا سالن بھی بڑی رغبت سے کھا رہی تھی۔

جب پھپھو ایک ہفتے بعد گھر جانے لگیں تو اس نے سارا سے ازراہ مذاق کہا:

''سارا بیٹا! میرے ساتھ چلو گی میرے گھر میں آپ کو چیونٹے والے لڈو بھی کھلاؤں گی، کھاؤ گی ناں لڈو؟''

سارا خوف سے ماں سے لپٹ گئی۔

''نہیں امی! میں نے نہیں جانا'' سارا کی اس بات پر سب ہنس پڑے۔



دہشت گرد کون؟؟؟

ام محمد عبداللہ

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں امی جان کو باسم کے بڑے بھائی نضال راز داری کے ساتھ کچھ بتا رہے تھے۔ وہ اس کمرے سے رخصت ہوئے تو ان کے ہاتھ میں ایک لفافے میں دیسی ساخت کا ایک بم تھا۔

باسم جانتا تھا وہ بہت احتیاط سے باہر سڑک پر چلیں گے اور جیسے ہی انہیں اپنے علاقے میں کوئی اسرائیلی جیپ نظر آئے گی وہ یہ بم اس پر پھینک دیں گے۔

"یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ میں وقار اور امن کے ساتھ جینا چاہتا ہوں۔ سکول جانا چاہتا ہوں کھیلنا چاہتا ہوں" تیرہ سالہ باسم کے حلق میں آنسوؤں کا ایک گولہ اٹک گیا تھا۔

قریب ہی اس کی دو سالہ چچا زاد بہن خلیلہ کسی کاغذ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

"خلیلہ! یہ مجھے دو! باسم نے ہاتھ آگے بڑھایا تو خلیلہ اسے کاغذ تھما کر آگے بڑھ گئی۔

باسم نے اپنے کرتے کی جیب سے ایک چھوٹی سی پینسل نکالی اور دیوار سے ٹیک لگا کر کاغذ پر لکھنے لگا۔

میری دادو بتاتی تھیں\
ہمارے زیتون کے باغ ہرے بھرے تھے\
ان میں پرندے چہچہاتے پھرتے تھے\
ہاں\
وہاں پھول بھی کھلے ہوئے تھے\
اور\
تتلیاں بھی رقص کرتی تھیں\
میرے دادا جب اپنے کمرے کی کھڑکی کا

پردہ ہٹاتے تھے تو
سفید کبوتر
سبز طوطے
اور بھوری چڑیاں جھانک کر
جھولے میں سوئے میرے بابا کو
گیت گا کر جگاتے تھے
مگر پھر اک زلزلہ آیا
وہ زلزلے کی تاریخ بھی اکثر بتاتی تھیں
ماتھے پہ ہتھیلی اپنی رکھ کر کہتیں
مئی کا وہ مہینہ تھا
نصف دن گزر چکے تھے
نصف آنے والے تھے
ہاں پندرہ تاریخ تھی بیٹا
اور سال
سال 1948 تھا میرے بچے
سنو!
15 مئی 1948
کو اک زلزلہ ارض مقدس پر آیا تھا
وہ ہر جانب تباہی ہی تباہی کی کہانی لکھ کر لایا تھا
مہلک ہتھیار
خنجر اور تلواریں
اسلامیانِ فلسطین کے جسموں کے آر پار ہوتی تھیں
مرد و زن بچے بڑے بوڑھے
کھیتیاں کھلیان اور جانور بیچارے
امن کہیں نہ پاتے تھے
سپلائی لائنیں پانی کی
زہر آلودہ کر دی گئیں تھیں جب
دادو بتاتی تھیں
ہمارے زیتون بکھر گئے تھے سب
پرندے ڈر کے اڑ گئے تھے سب
میرے بابا کا جھولا بھی ٹوٹا پڑا تھا اک طرف
میری دادو اس دن کو یوم نکبہ بتاتی تھیں
دادو بتاتی تھیں بتاتی تھیں بتاتی تھیں
اور پھر چپ ہو جاتی تھیں
میں آج
3 جولائی 2023 میں
جنین کے پناہ گزیں کیمپ میں بیٹھا خود کو
اسی زلزلے کی زد میں پاتا ہوں
UNO
کی ایجنسی انروا بتاتی ہے
یہ کیمپ 0.42 مربع کلومیٹر میں سمٹا
چودہ ہزار فلسطینیوں کے لیے اک جیل جیسا ہے
جہاں ہم نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر تہہ بہ تہہ سیاہ راکھ تلے
ہمارے ہنسنے پڑھنے اور کھیلنے کے سب
خواب دبتے ہی جاتے ہیں

اللہ میرے کان اور دل

اسرائیلی زمینی اور فضائی حملوں سے پھٹتے جاتے ہیں

یہ دنیا کسے دہشت گرد بتاتی ہے

میں سمجھ نہیں پاتا

وہ جو دوسروں سے گھر اور زندگیاں چھین لیتے ہیں

امن کے داعی کہلائیں

اور

جو اپنی جان اور گھر کی حفاظت میں لڑیں

دہشت گرد کہلائیں

مگر میں کچھ نہیں جانتا

نہ جاننے کی کچھ خواہش ہی باقی ہے

میں

بس

ہنسنا

کھیلنا اور پڑھنا چاہتا ہوں

☆......☆......☆

''باسم! باسم! خلیلہ کہاں ہے؟'' چچی جان گھبرائی ہوئی باسم کو پکار رہی تھیں۔

''خلیلہ ابھی تو یہیں کھیل رہی تھی، میں دیکھتا ہوں'' باسم جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

کاغذ زمین پر آ گرا تھا البتہ پینسل باسم نے اپنی انگلیوں میں دبا رکھی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکلا۔

اسرائیلی فوجیوں نے سارے علاقے پر دھاوا بول رکھا تھا۔ ہر جانب گولیوں اور گیس بموں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ ایمبولینسز اور صحافیوں کو جنین میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔

ایک اسرائیلی بلڈوزر ہسپتال کے قریب گاڑیوں اور دکانوں کو تباہ کر رہا تھا۔

مگر باسم کو اس سب سے کچھ سروکار نہیں تھا اس کی نگاہیں چاروں جانب پھیلے کالے سیاہ دھوئیں میں خلیلہ کو ڈھونڈ رہی تھیں

''خلیلہ!'' وہ وہاں سامنے تھی۔

''خلیلہ!'' وہ تیزی سے اس کی جانب دوڑا۔

''بھائی!'' خلیلہ کی آنکھوں میں دھواں اور آنسو بھرے ہوئے تھے گیس شیلنگ کے باعث اس کا دم گھٹ رہا تھا سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ وہ باسم کے سامنے چکرا کر گر گئی تھی۔

باسم کا اپنا دم بھی گھٹ رہا تھا۔

سامنے سے اسرائیلی فوجیوں کی جیپ آ رہی تھی۔

خلیلہ کے قاتل.....

اس کی انگلیوں میں دبی پینسل گر گئی تھی۔

اس نے میکانکی انداز میں قریب ہی پڑے ایک پتھر کو زور سے جیپ کا نشانہ لے کر مارا جیپ کے سامنے کا شیشہ چکنا چور ہو گیا تھا اور بزدل اسرائیلی دہشت گرد فوجی دہشت گردی کے جرم میں باسم کو گرفتار کر رہے تھے۔

حمایت کی جنگ

محمد فیصل علی

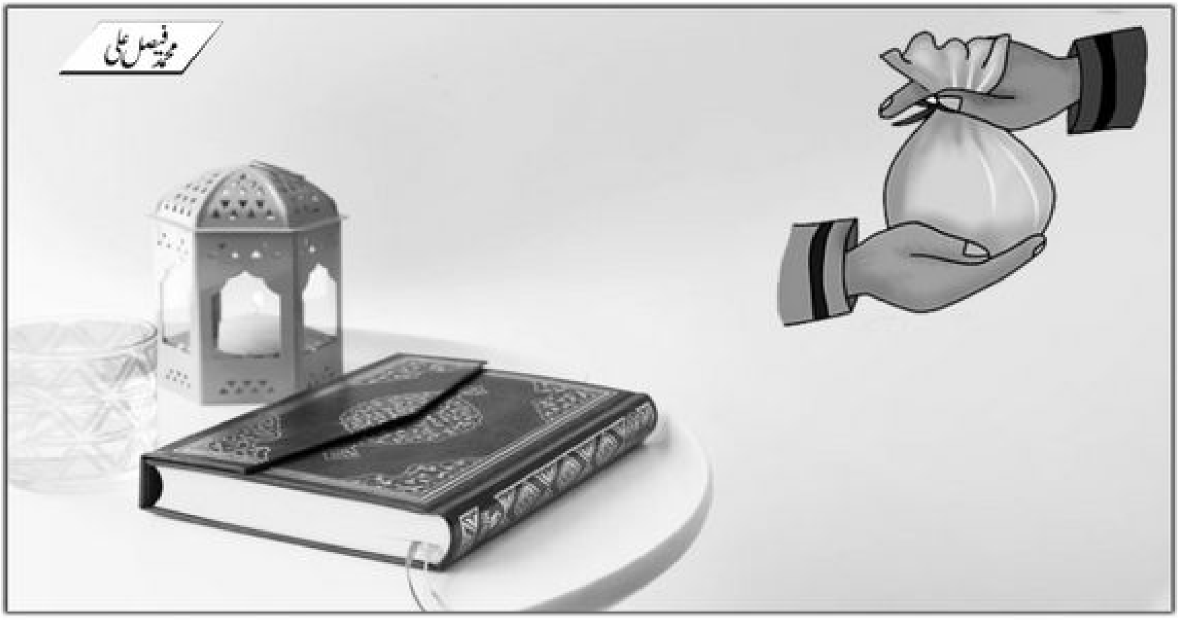
عدنان کندھے پر بستہ لٹکائے، ہنستا کھیلتا اسکول جا رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ رک جاتا اور جیب میں موجود 1000 روپے کی موجودگی کا یقین کرتا اور پھر آگے چل پڑتا۔

آج دو دن بعد اس کے والدین نے اس کے پرزور اصرار کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور اسے کھلونا ہیلی کاپٹر خریدنے کے لیے 1000 روپے دیئے تھے۔

عدنان نہایت خوش تھا بلکہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔اسکول ابھی کافی دور تھا۔ اس وقت وہ ایک پرانے مکان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔اچانک اس کے کانوں میں تیز سسکیوں کی آواز پڑی۔وہ چونکا اور آواز کی سمت نظریں دوڑانے لگا۔پھر اس نے جان لیا کہ رونے والا اس کا ہم عمر ہے اور اس پرانے مکان کے ساتھ موجود ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔وہ اس طرف بڑھا۔اس نے دیکھا ،اس کے بال اُلجھے ہوئے تھے۔آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ تھیں کپڑے بھی قدرے میلے کچیلے تھے۔عدنان اس کے قریب جا کر رک گیا۔

''السلام علیکم!'' عدنان بولا

''وعلیکم السلام'' لڑکے نے پہلے تو سر اٹھا کر



اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا، پھر سلام کا جواب دیا

''دوست کیوں پریشان ہو؟''

عدنان نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

لڑکے نے چند لمحے اسے سرتاپا دیکھا، پھر اس کی آواز اُبھری:

''بھائی! آپ جائیں پڑھیں! آپ اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں؟''

''ارے نہیں بھیا! اگر مجھے بھائی کہا ہے تو اب مجھے ضرور بتاؤ! دیکھو پریشانیاں آتی ہیں تو ان کا کوئی نہ کوئی حل بھی ضرور ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کو بے یارومددگار نہیں چھوڑتے۔اس کے لیے کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کرتے ہیں۔''

عدنان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''بھائی! سننا چاہتے ہیں تو سنیں! میرا نام ارسلان ہے۔میرے والد فوت ہو چکے ہیں۔ بوڑھی ماں ہے جو اس گھر میں پڑی بخار میں جل رہی ہے۔میں ان کے لیے دوا لینا چاہتا ہوں مگر گھر میں پھوٹی کوڑی تک نہیں کہ میں انہیں کہیں لے جاسکوں۔''

لڑکے نے درد بھری آواز میں اپنا حال غم سنایا

''اوہ!'' عدنان دھک سے رہ گیا۔وہ سوچنے لگا کہ اس کے لیے کیا کرے؟ اچانک اسے جیب میں موجود رقم کا خیال آیا۔دل نے فوراً تجویز پیش کی:

''دے دو! غریب کا بھلا ہو جائے گا اور تمہیں اس کا بہت اجر ملے گا۔''

ادھر شیطانی خیالات نے یلغار کر دی:

''پاگل مت بنو! ایسے کئی لوگ ہیں، کس کس کی مدد کرو گے؟ اس پر اگر آزمائش آئی ہے تو تمہیں کیا؟ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اپنا کام کرو!''

اسی لمحے اسے اپنے کانوں میں جمعے کی تقریر میں کہے گئے امام صاحب کے الفاظ گونجتے سنائی دیے:

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی چاہت قربان کر دو گے تو بہت اجر پاؤ گے اور ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری وہ چاہت بھی پوری کر دے۔''

یہ جملے یاد آتے ہی عدنان بڑبڑایا:

''سمجھ میں آ گئی۔''

''بھائی! کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' لڑکے نے کہا اور عدنان کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

''کچھ نہیں۔''

پھر اس نے جیب میں موجود 1000 روپے نکالے اور ارسلان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

''یہ لو بھیا! ان سے والدہ کے لیے دوا لے آؤ اور ہاں انکار نہ کرنا۔میں آپ پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔''

اس وقت عدنان نے دیکھا کہ ارسلان کی آنکھوں میں دنیا جہاں کا تشکر سمٹ آیا ہے۔

”شش... شکریہ بھائی!“

اس کے منہ سے نکلا اور عدنان سلام کر کے مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

چھٹی کے بعد جیسے ہی وہ گھر پہنچا۔ وہاں اس کے چچا آئے ہوئے تھے اور وہ عدنان کے لیے ڈھیر ساری چیزیں لائے تھے۔ ان میں ایک بڑا سرخ پیکٹ بھی تھا۔

”اس میں کیا ہے؟“

اس نے بے تابی سے پوچھا۔ چچا جان مسکرائے اور بولے:

”یہ تو میں نے تمہارے والدین کو بھی نہیں بتایا کہ اس میں کیا ہے۔ تم خود کھول کر دیکھ لو!“

”اوہو! تب تو کوئی خاص چیز ہو گی!“

عدنان نے شوخ لہجے میں کہا اور پھر پیکٹ کھول لیا۔ جوں ہی اس کی نظر اندر سے برآمد ہونے والی چیز پر پڑی وہ بول پڑا:

”واقعی اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔“

اور اس کے کانوں میں یہ الفاظ پھر گونجنے لگے:

”اگر تو اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی چاہت کو چھوڑ دے گا تو وہی ہو گا جو تو چاہے گا۔“

وہ غور سے اس چیز کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سرخ رنگ کا خوب صورت ہیلی کاپٹر تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسا اس نے دکان پر دیکھا تھا اور اس نے آج وہ خریدنا تھا۔

”کیا سوچنے لگے بیٹا!“

چچا جان بولے۔

جواب میں عدنان نے تمام بات بتا دی۔

”شاباش بیٹے! یہ لو میری طرف سے انعام۔“

قریب بیٹھے ابو نے خوش ہو کر کہا اور 100 روپے اس کی طرف بڑھا دیے۔

”اور یہ میری طرف سے۔“

چچا جان نے بھی مسکراتے ہوئے 100 روپے اس کی طرف بڑھا دیے۔

”میں یہ 200 روپے بھی ارسلان کو دوں گا۔“

عدنان نے مسکرا کر کہا اور تمام گھر والے اسے دعائیں دینے لگے۔

چاہت کی اس جنگ میں نیکی کی چاہت جیت چکی تھی۔

☆......☆......☆

مسلمان کا حق

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور (مسلمان) قیدی کو (کافروں کی) قید سے آزاد کراؤ۔

انیسہ احمد



کنول بہت پریشان تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ صبح اس کی یونیورسٹی میں ثقافتی ہفتہ شروع ہونا تھا۔ کنول نے بھی اس میں آرائشی اشیاء کا سٹال لگانا تھا۔ لیکن اب اس کا سارا منصوبہ تلپٹ ہوتا نظر آ رہا تھا۔

”اٹھو کنول! باجی آئی ہیں اور تمھیں بلا رہی ہیں۔“ کنول کے چھوٹے بھائی نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

”اچھا میں ابھی آئی۔“ کنول اٹھ بیٹھی۔

باجی اس کی سب سے اچھی اور گہری دوست بھی تھیں اور ان کے پیارے سے بیٹے عمر میں تو کنول کی جان تھی۔

ساری شام کنول کو اپنے کمرے میں جانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ دو سالہ عمر بار بار اس کے کمرے میں جاتا اور شیلف پر رکھے ہوئے ان ڈیکوریشن آئٹمز سے کھیلنا شروع کر دیتا جو کنول نے کل سٹال پر رکھنے تھے۔ کنول کے ذہن میں تھا کہ اس نے تمام چیزیں الماری میں رکھ دی ہیں۔ اس لیے وہ بے فکری سے آپی سے باتیں کرتی رہی اور باورچی خانے میں امی جان کا ہاتھ بٹاتی رہی۔

رات دس بجے جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ فرش پر شیشے کے چاروں فریم کرچی کرچی ہوئے پڑے تھے۔ یہ مصنوعی آبشار کے پتھروں میں رکھے جانے والے فریم تھے جو بٹن دباتے ہی گھومنے لگتے اور

روشنیاں بکھیرنے لگتے۔ان کی روشنیوں سے پانی بھی رنگ برنگا ہو کر دلکش منظر پیش کرتا۔لیکن اب یہ چاروں فریم ٹوٹ چکے تھے۔ان کے بغیر چاروں مصنوعی آبشاروں کی رونق ادھوری تھی۔

''اب کیا کروں؟ یہ کیا ہوگیا؟''کنول رونے والی ہوگئی۔باجی بھی جا چکی تھیں لیکن وہ عمر کو ڈانٹنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔عمر میں تو اس کی جان تھی۔پھر غلطی بھی اس کی اپنی تھی۔اسے اتنی نازک چیزیں یوں سامنے والے شیلف پر نہیں رکھنی چاہیے تھیں۔

''حسان! بازار سے ایسے فریم مل سکتے ہیں؟ پتہ تو کرو پلیز!''اس نے منت کے اس انداز میں کہا تو حسان کو کمبل چھوڑ کر اٹھنا ہی پڑا۔

خوش قسمتی سے صداقت بھائی کی گفٹ شاپ کھلی ہوئی تھی لیکن ان سے جو فریم ملے وہ صرف ایک ہی رنگ کی روشنی خارج کرتے تھے اور جب ان کو آبشار کے درمیان رکھا گیا تو وہ حجم میں کچھ چھوٹے ہونے کی وجہ سے گھوم بھی نہ سکے۔اب تو کنول کی پریشانی سوا نیزے پر پہنچ چکی تھی۔ساری رات وہ صحیح طرح سو بھی نہ سکی۔

☆......☆......☆

صبح جب وہ یونیورسٹی پہنچی تو خوب چہل پہل تھی۔اس کی سب دوستوں نے سٹالز لگائے تھے۔کنول نے ابھی اپنا سٹال لگایا اور کرسی پر بیٹھ کر اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔اب اس کو بے چینی نہیں ہو رہی تھی کیونکہ اس نے ایک بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔

''واہ! یہ کتنا پیارا ہے۔اس کی کیا قیمت ہے؟'' کچھ لڑکیاں اس کے سٹال کے گرد کھڑی تھیں۔

''یہ 300 کا ہے لیکن اس میں ایک خرابی ہے۔اس کا اپنا فریم ٹوٹ گیا ہے۔یہ میں نے نیا فریم اس میں ڈالا ہے لیکن یہ گھومتا نہیں ہے۔'' کنول بولتی چلی گئی

''اوہ!'' لڑکیاں افسوس سے کہتی ہوئی اگلے سٹال پر چلی گئیں۔ظاہر ہے نقلی فریم والی آبشار کون لینا گوارا کرتا۔ایک لمحے کو کنول کے دل کو کچھ ہوا لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

دوپہر تک وہ صرف ایک ہی آبشار بیچ پائی یا کچھ چھوٹی موٹی پنیں اور کیچر جس میں اس کا کوئی خاص منافع نہیں تھا۔وہ ایک آبشار بھی ایک غیر ملکی لڑکی لے گئی جس کو فریم کے گھومنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔بس اس کو آبشار کا بہتا پانی اچھا لگا تھا۔

''کوئی بات نہیں! ہوسکتا ہے کچھ اور آبشار بھی فروخت ہو جائیں۔ابھی ثقافتی ہفتہ ختم ہونے میں دو دن باقی ہیں۔کم از کم میرا ضمیر تو مطمئن ہے کہ میں جھوٹ بول کر اپنی چیز نہیں بیچ رہی۔''اس نے احتیاط سے آرائشی آبشاروں کو اپنی الماری میں رکھتے ہوئے سوچا

”یہ کیا ہے؟“ اس نے ایک پیارا سا گفٹ باکس اٹھایا جو اس کے بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ امی جان اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلی آئی تھیں اور اب اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

”بیٹا! کھولو تو سہی“

جب اسے نے ریپر اتار کر ڈبے میں جھانکا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہاں چار شیشے کے خوبصورت آبشار پڑے اپنی رونق دکھا رہے تھے۔ اس نے جلدی سے الماری میں سے آبشاریں نکالیں اور فریم اس میں سجا دیئے۔ بٹن دباتے ہی چاروں فریم گھومنے لگے اور رنگ برنگی روشنیاں بکھیرنے لگے۔

وہ دوڑ کر امی جان کے گلے لگ گئی۔

”یہ نائلہ نے بھیجے ہیں۔ حسان نے اسے ساری بات بتا دی تھی۔“ امی جان نے مسکراتے ہوئے بتایا

”یہ لو آپی سے بات بھی کر لو اور عمر کی ’شولی‘ یعنی سوری بھی سنو۔“ حسان نے ہنستے ہوئے موبائل اس کے ہاتھوں میں تھما دیا

رات جب سو گئے تو کنول نے وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور دعاء کی:

”یا اللہ! اگر سچ بولنے سے اتنی خوشی ملتی ہے اور مسئلے حل ہو جاتے ہیں تو میں اب ہمیشہ سچ بولوں گی اور کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی۔“

یہ دعاء مانگ کر کنول کو یوں لگا جیسے وہ رنگ برنگی روشنیاں اس کے دل میں بھی جگمگا رہی ہیں!

محمد عروہ بن زبیر

یہ منہ اور مسور کی دال

واجد علی شاہ کا ایک باورچی ان کے خاتمہ سلطنت کے بعد ایک رئیس کا نوکر ہوا اور ان کیلئے مسور کی دال پکائی۔ وہ دسترخوان کی اور چیزوں کو بھول گئے اور دال ہی کھا کر انگلیاں چاٹتے رہے۔ باورچی سے بے حد خوش ہوئے۔ لیکن جب انہوں نے دال پکانے کی ترکیب پوچھی تو پتہ چلا کہ صرف تین پیسے کی دال اور اس میں ڈالے گئے باقی اجزاء چھتیس روپے کے تھے۔ رئیس چلا اُٹھے کہ تین پیسے کی مسور میں چھتیس روپے خرچ ہوئے۔ یہ سن کر باورچی اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا

”یہ منہ اور مسور کی دال“

اسی وقت سے یہ محاورہ رائج ہو گیا۔

جویریہ فاروقی



فلسطین کے ننھے شیر



''نضال کل پھر کیا پروگرام ہے؟ آج ان کے ساتھ کھیل کھیلا جائے یا پھر...!''

مکتب سے واپس آتے ہوئے نیلی آنکھوں والے، سب سے نڈر اور اپنے گروپ کے لیڈر رانم نے دور بہت دور نظر آتے ہیولے پر نظریں جماتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا۔

''ہاں یار..! بہت دن ہوگئے ان کے ساتھ آنکھ مچولی نہیں کھیلی، لیکن اس بار غلیل میں پتھر تھوڑے بڑے سائز کے ہونے چاہئیں تاکہ کچھ لطف تو آئے ناں''

تیرہ سالہ نضال نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا، جیسے اسلحے سے لیس فوجی نا ہوں بلکہ ننھے منے شکار ہوں۔ حقیقت میں یہ فوجی انسان تھے ہی کب، یہ درندے تھے جن کے ہاتھ معصوم فلسطینیوں

سے رنگین تھے۔

''ٹھیک ہے پھر شام پانچ بجے سب کو لے کر ابوحاطب کے گھر کے پیچھے آجانا''

رانم تاکید کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف مڑ گیا۔

☆......☆......☆

''میرے بہادر ساتھیو تیار ہوناں...!!''

اپنی غلیل اور کپڑے کے تھیلے میں پتھروں سمیت آتے ہوئے رانم نے کہا

یہ تھیلا اس نے اپنی امی جان سے اسی مقصد کے لیے سلوایا ہوا تھا جس کو ایک بڑی ڈوری کے ذریعے گلے میں لٹکا لیا کرتا تھا، بھاگتے ہوئے اس میں سے پتھر لینے میں آسانی رہتی تھی۔

اُم روحاء نے بھی اپنے بہادر چمکتی آنکھوں، روشن پیشانی والے ننھے مجاہد بیٹے کی خواہش پر بخوشی سی کر دیا تھا!

''ہم سب تیار ہیں۔ لیکن جریر کے پاس غلیل نہیں..!''

ذبیح اللہ نے انکشاف کیا

''جریر کی غلیل کہاں گئی..؟ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو چندہ جمع کر کے سب کی نئی اور مضبوط غلیل لی گئی تھی؟''

پروگرام خراب ہوتا دیکھ کر رانم کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''ہاں بھئی جریر کدھر ہے آپ کی غلیل؟''

اس نے سنجیدگی سے جریر کو دیکھا۔

''وہ...وووہ...وہ میرے چھوٹے بھائی نے کہیں چھپا دی..وہ کہتا اگر تم مجھے اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے تو بتاؤں گا..ورنہ نہیں!''

بارہ سالہ جریر نے ڈرتے ڈرتے اپنی پریشانی بتائی۔

''ٹھیک ہے...اسے لے کر پانچ منٹ میں آؤ..اتنے میں صف بندی کرتا ہوں''

رانم نے سب کو لائن میں کھڑا کرتے ہوئے کہا

''نضال اور ذبیح اللہ تم دائیں طرف سے، جریر اور سبیح بائیں جبکہ میں ننھے مروان کے ساتھ عقب سے حملہ آور رہوں گا''

رانم نے ایک کمانڈر کی طرح سب کو ہدایت دے کر جریر کے ساتھ آئے ننھے مروان کو اپنے ساتھ کھڑا کر لیا۔

''سب کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ غاصب کے کھلے حصہ کا نشانہ لیا جائے۔''

رانم نے ایک بار پھر ہدایت دی اور مروان کا ہاتھ پکڑ کے اپنی ٹیم کے ساتھ مشن پر روانہ ہو گیا۔

آسمان ملائکہ بھی القدس کے ننھے شیروں کو رشک سے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

یروشلم کے ایک محلے کے داخلی چوک پر عارضی رکاوٹ کھڑی کر کے ایک چوکی بنی ہوئی تھی،

یہاں بیزاری سے ڈیوٹی دیتا ایک صہیونی فوجی موجود تھا۔

دن بھر کی تھکاوٹ سے چور فوجی ٹوپی اُتار کر سانس لینے کو بیٹھا ہی تھا کہ ایک چھوٹے پتھر نے ماتھے پر لگ کر اس کا مزاج پوچھ لیا۔

ابھی وہ اس نئی افتادہ سے سنبھلا بھی نہیں تھا کہ دائیں بائیں سے یکے بعد دیگرے چھوٹے چھوٹے پتھروں کی برسات نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے۔

اس نے ٹوپی پہن کر نادیدہ دشمن کا نشانہ لینے کو گن اٹھائی تو کھسیا کر رہ گیا۔

یہ چھ سات فلسطینی بچوں کا گروپ تھا، جو سینہ تان کر آزادی کا جھنڈا لہرا کر غلیلوں سے نشانے باندھ کر اسے چڑا رہے تھے۔

ماتھے پر بنے آلو اور بچوں کے مسکراتے چہرے نے دجال کے فرزند کو مشتعل کر دیا، اس نے بزدلی کے ریکارڈ توڑتے ہوئے القدس کے جری شیروں پر چھوٹی گن سے چھروں کی بارش کر دی۔

رانم کی بہادر ٹیم چھروں کی برسات میں، تکبیر کی گونج میں اپنے مورچے ابوحاطب کے مکان کے پیچھے میدان میں پہنچی تو ننھے مروان کے گال سے بہتے لہو نے سب کو پریشان کر دیا۔

رانم نے جلدی سے آگے بڑھ کر مروان کو گود میں اٹھالیا، انضال نے اپنا رومال اس کے زخم پر رکھ کر خون روکنے کی کوشش کی۔

''مروان رونا نہیں ابھی ہم اخی مصعب کے مطب میں جا کر پٹی کراتے ہیں''

درد کی شدت سے سرخ مروان کے جواب نے سب حیران کر دیا۔

''اخی..! میرے ابی کہتے ہیں مجاہد بہادر ہوتے ہیں..وہ روتے نہیں...اور اخی میں بھی تو القدس کا مجاہد ہوں ناں...!''

مروان نے اس کی ٹھوڑی پکڑتے ہوئے کہا.

رانم نے فرطِ مسرت سے اس کی پیشانی کا بوسہ لے ڈالا۔

ننھے مجاہدوں کا یہ قافلہ ابومصعب کے مطب کی طرف روانہ ہوا۔

☆......☆......☆

''آج القدس کے جانبازوں نے کون سا کارنامہ سرانجام دیا؟''

ابومصعب نے ننھے مروان کی مرہم پٹی کرتے ہوئے کہا تو جواب میں رانم نے اپنی سب کی مشترکہ کاروائی چٹخارہ لیتے ہوئے بیان کر دی۔

''ارے واہ...کمال کر دیا تم لوگوں نے..!''

''جی اخی...! اور اس کے ماتھے پر بنا آلو دیکھ کر مزا آ گیا''

جرید نے صہیونی فوجی کی حالت کا حظ اٹھاتے

دنیا کی زندگانی

اقصیٰ بنت کلثوم

ہمارے آپس میں جھگڑوں کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اس عارضی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ اگر ہم یہ سوچ لیں کہ یہ کچھ مدت کے لئے قیام کی جگہ ہے تو بہت سی ذہنی پریشانیاں اور لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں۔

یہاں ہمیں جو کچھ بھی ملا ہے خواہ وہ دولت ہو۔ تعلقات ہوں۔ رشتہ داریاں ہوں۔ بزنس یا جاب ہو۔ سب اس دنیا میں رہنے کے لئے جی بہلانے کا سامان ہے۔ یہ سب ہماری سوچ کا دھوکہ ہے کہ یہ چیز میری ہے۔ یہ دولت میری ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ کچھ بھی میرا نہیں ہوتا۔ سوائے اعمال کے اگر کوئی چیز۔ رشتہ۔ جائیداد بندے کی ہوتو مرتے وقت ساتھ ضرور لے جائے۔ قرآن مجید نے واضح طور پر دنیا کی زندگی کو دھوکے کا سامان قرار دیا ہے۔ ہم نہ تسلیم کریں تو الگ بات ہے۔

ہوئے کچھ اس انداز میں کہا کہ سب چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اچھے بچو...!! اب سیدھے گھر جاؤ... پڑھو ....بڑھو...کھیلو...کودو...لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا...!!"

ابو مصعب نے ہاتھوں کو دھوتے ہوئے ایک نظر سب کے چہرے پر ڈالی اور دوبارہ گویا ہوا:

"تم عام بچے نہیں ہو.. تم سرزمین انبیاء کے بچے ہو... تم اس سرزمین کے محافظ ہو جہاں آقا دو عالم خاتم النبیین ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت کروائی تھی...!"

وہ ایک لمحے سانس لینے کو رکے... سب بچے سنجیدگی سے ان کی بات سن رہے تھے..

"تمہاری رگوں میں شہداء کا لہو دوڑتا ہے.. تم نے اس سرزمین اور شہداء کے لہو کی لاج رکھنی ہے.. میرے بچو..!

ابو مصعب نے نم اور محبت بھرے لہجے میں اپنی بات مکمل کی۔

"اخی...! ہم القدس کے محافظ ضرور بنیں گے...سرزمین انبیاء کو یہودیت کے ناپاک قدموں سے پاک کریں گے"

"شاباش! میرے شیرو..! اللہ تم سب کے نگہبان ہیں"

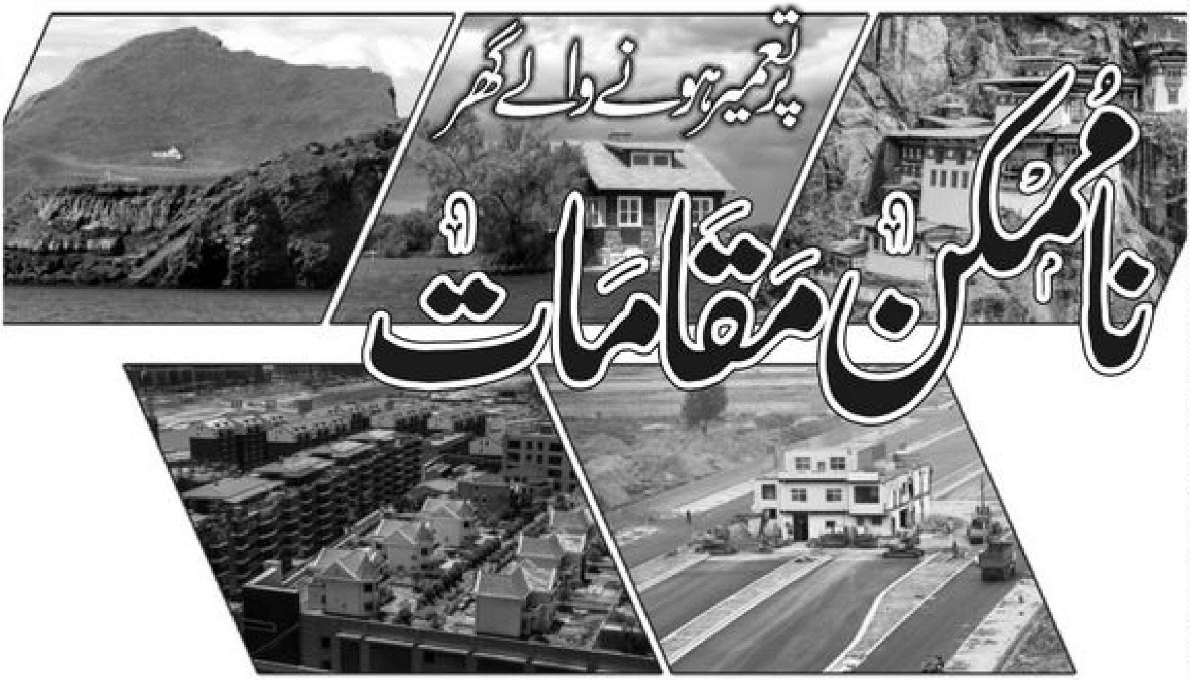
☆......☆......☆

القدس کے ننھے بچوں کا یہ کھیل اسلحے اور قوت سے لیس اسلامی ملکوں کے لیے سوالیہ نشان ہے؟؟؟

کیا القدس صرف فلسطینیوں کی سرزمین ہے؟؟؟

ابوشفاء

راز سربستہ



اپنے گھر کی خواہش تو ہر ایک کو ہوتی ہے مگر کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں شہری یا نیم شہری طرز زندگی پسند نہیں ہوتا۔ ایسے افراد دیگر افراد سے جس حد تک ممکن ہو دور رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

مگر بہت کم افراد ایسے ہوتے ہیں جو اپنے گھر کی تعمیر کے حوالے سے ایسی جگہوں کا انتخاب کر لیتے ہیں جن کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔

امریکا۔کینیڈا بارڈر

امریکا اور کینیڈا کی سرحد پر تھاوزنڈ آئی لینڈز کے نام سے جگہ مشہور ہے جہاں ایک ایک کمرے کے گھر دریائے سینٹ لارنس پر تعمیر کیے گئے ہیں، جن میں سے ایک کا نظارہ آپ اوپر کر ہی لیں گے۔

ایلیڈے آئی لینڈ، آئس لینڈ

تین سو سال قبل آئس لینڈ کے اس دور دراز جزیرے میں پانچ خاندانوں نے رہائش کا فیصلہ کیا،



یہ تیرتی ہوئی چٹان ہی الگ تھلگ نہیں بلکہ وہاں رہنے والے افراد نے اس کے اردگرد باڑیں بھی لگا رکھی ہیں۔



وارسا، پولینڈ

ویسے یقین کرنا مشکل ہوگا مگر یہ دنیا کا سب سے پتلا گھر ہے جو پولینڈ کے دارالحکومت وارسا میں تعمیر کیا گیا ہے، جسے کیرٹ ہاؤس کہا جاتا ہے، جوکہ دو عمارات کے درمیان واقع ہے جبکہ اس کی چوڑائی محض 36 انچ ہے۔

اوپل مائننگ ٹاؤن، آسٹریلیا

کچھ لوگوں نے تو زمین کے اندر بھی گھر بنا رکھے ہیں، جن میں سے ایک آسٹریلیا کا ایک اوپل مائننگ ٹاؤن بھی ہے جہاں 80 فیصد افراد نے زیرزمین گھر بنا رکھے ہیں تاکہ اوپر موجود 120 ڈگری درجہ حرارت سے بچ سکیں، یہاں ان لوگوں کو رہتے ہوئے سو سال سے بھی زائد عرصہ ہو چکا ہے۔



شمالی برطانیہ

کچھ لوگوں نے تو زمین اور آسمان کے درمیان یعنی درختوں پر گھر بنا لیے ہیں، جیسے شمالی برطانیہ پر بنے یہ ٹری ہاؤسز جوکہ تاریخی طور پر احتجاج کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔

وسلر، کینیڈا

سافٹ ویئر ڈیویلپر جوئیل ایلن نے کینیڈا





کے اس علاقے میں ٹری ہاؤس کا اپنا ڈیزائن بنایا جوکہ زیادہ پالشڈ اور جدید ہے۔

ہینگ یانگ، چین

چین میں کاروباری عمارات کے اوپر بھی گھروں کی تعمیر ہوجاتی ہے، جس کی مثال ہینگ یانگ کے ایک مقامی شاپنگ سینٹر کے اوپر غیر قانونی طور پر تعمیر ہونے والے یہ 25 گھر ہیں، جہاں اس شاپنگ سینٹر میں کام کرنے والے افراد مقیم ہیں۔

بھوٹان

پاروٹکٹسینگ نامی یہ سرائے بھوٹان کی وادی پارو کی چٹانوں پر بنی ہوئی ہے، یہ عمارت 17

ویں صدی سے زیر استعمال ہے جہاں بھکشو قیام کرتے ہیں اور برسوں تک وہیں رہتے ہیں، اس دوران وہ کبھی نیچے وادی میں نہیں جاتے۔

یونان

اس سے بھی زیادہ رسائی سے دور اور مشکل راستے والا گھر یونان میں واقع ہے جسے میٹی اورا کے نام سے جانا جاتا ہے، جوکہ ایک چٹان کی چوٹی پر واقع ہے اور اسے یونیسکو نے عالمی ثقافتی ورثے کی فہرست میں بھی شامل کر رکھا ہے۔

زمرٹ، سوئٹزرلینڈ

سطح سمندر سے سب سے زیادہ بلندی پر واقع گھر ممکنہ طور پر سولوے ہٹ ہے، جوکہ سوئٹزرلینڈ





کے علاقے زمرٹ میں 13 ہزار فٹ سے زائد بلندی پر واقع ہے، یہ یہاں آنے والے ہائیکرز کے لیے آرام گاہ کا کام کرتا ہے۔

چین کا نیل ہاؤس

کچھ گھر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر سمجھ نہیں آتا کہ آخر یہ تعمیر کیسے کیے گئے، جیسے چین کا یہ نیل ہاؤس جو کہ ترقیاتی کاموں کے دوران مالک کی جانب سے گرانے کی اجازت نہ ملنے پر انوکھے انداز سے ابھر کر سامنے آیا۔

ترکی

یہ رجحان دنیا کے کچھ اور علاقوں میں بھی ہے، جیسے ترکی کا یہ لون ہاؤس، جو کہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس نے اسے گرائے جانے کے خلاف جدوجہد کی، تاہم آخر میں انہیں جانا ہی پڑا۔

سربیا

سربیا کے قصبے بجینا باستا کے قریب یہ گھر 1968 سے دریائے درینا کے درمیان اس چٹان کے کونے پر ٹکا ہوا لوگوں کو حیران ہونے پر مجبور کر رہا ہے۔



7واں بھائی

مترجم: ماہم احسن

ایک گاؤں میں سات لڑکے رہتے تھے۔وہ
اپنے گاؤں میں سات بے وقوفوں کے طور پر
مشہور تھے، جو ہر وقت کھیلتے رہتے تھے۔
اس دن بہت گرمی تھی جب
ساتوں بھائی کھیلنے
نکلے۔گرمی
کے



ناتے
ان سے
جب چلا نہ گیا تو وہ
سڑک کے کنارے آرام کرنے
لگے۔کچھ دیر آرام کے بعد وہ جنگل کی طرف روانہ
ہوئے۔جنگل
میں دریا کے
قریب پہنچ کر وہ
آپس میں گپ
شپ لگانے لگے۔
تھوڑی دیر بعد
بھائی کھیلنے لگے۔کبھی وہ دریا
میں ڈبکی لگاتے تو کبھی درختوں کے پیچھے آنکھ
مچولی کھیلتے۔رات تک وہ کھیلتے رہے۔
اچانک ایک بھائی کو خیال آیا کہ
اب گھر جانا چاہیے۔
"بہت
رات
ہو رہی ہے،
میرا خیال ہے اب
گھر چلنا چاہیے۔" سب سے بڑا بھائی
چیخا

ساتوں بھائی آرام آرام سے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی وہ گھر سے کافی دور تھے کہ اچانک ایک بھائی کو کچھ خیال آیا۔

"جب ہم گاؤں سے روانہ ہوئے تو ہماری تعداد سات تھی۔ مجھے نہیں لگتا کہ اب بھی ہماری تعداد سات ہی ہے۔ ہوسکتا ہے ہم میں سے ایک دریا پر ہی رہ گیا ہو؟"

یہ کہنے کے بعد اس نے سب بھائیوں کو گنا۔ وہ چھ تھے۔

"ارے۔۔۔ارے۔۔۔یہ کیا ہوگیا؟؟"

سب سے چھوٹا بھائی چلا اُٹھا

"کیا واقعی ہم میں سے ایک دریا میں رہ گیا"

سارے بھائی دوبارہ دریا پر پہنچے۔ وہاں ان کو کوئی دکھائی نہ دیا۔ انہوں نے خود ہی فرض کرلیا کہ شاید ان کا ساتواں بھائی دریا میں ڈوب گیا۔ وہ وہیں بیٹھ کر چیخ و پکار کرنے لگے۔

"ہائے ہمارا بھائی۔۔۔ہائے ہمارا بھائی ۔۔۔نہ جانے کس حال میں ہوگا بے چارہ۔"

وہ سب غمگین تھے۔

اسی اثناء میں ایک ایک باریش بزرگ سفید کپڑوں میں ملبوس، سفید کشتی میں وارد ہوئے۔ وہ دھیرے دھیرے چپو چلا کر ان کے پاس پہنچ رہے تھے۔ قریب پہنچنے پر انھوں نے پوچھا۔

"کیا ہوا بچوں؟ تم کیوں غمزدہ ہو؟" بزرگ کشتی کو کنارے پر لگا کر اتر آئے۔

"بابا جی۔۔۔ہم سات بھائی تھے۔ دریا پر کھیلنے آئے تھے کہ اچانک ہمارا ایک بھائی نہ جانے کہاں غائب ہوگیا۔ ہم نے کئی بار گنا لیکن تعداد چھ ہی رہی۔" بڑے بھائی نے تفصیل سے بتایا۔

بزرگ نے توجہ سے ان کی بات سنی، سارا معاملہ سمجھا۔

"فکر نہ کرو۔۔۔میں تمہارے ساتویں بھائی کو ڈھونڈ نکالوں گا"

بزرگ نے معنی خیز انداز میں کہا

"اب تم سب ایک صف میں کھڑے ہو جاؤ"

سارے بھائی انہیں حیرت سے دیکھتے ہوئے ایک صف میں کھڑے ہوگئے۔ اب بزرگ نے گننا شروع کیا

"ایک، دو۔۔۔تین۔۔۔چار۔۔۔پانچ۔۔۔چھ ۔۔۔اور تم۔۔سات۔۔۔"

پل بھر میں ہی ساتوں بھائی سارا معاملہ سمجھ گئے اب وہ اتنے بھی بے وقوف نہیں تھے۔ کیا آپ سمجھ گئے؟

☆......☆......☆

سو لفظی کہانی

محمد مستقیم



بھوک

ویک اینڈ تھا۔ دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام بنا۔ کھانے کا آرڈر دے کر ہم سب خوش گپیوں میں مصروف تھے جب وہ بھکارن ہماری ٹیبل کے پاس زمین پر آ کر بیٹھ گئی۔ ”کھانا کھاؤ گی“ اس کے چہرے پر بھوک چپکی صاف نظر آ رہی تھی۔ ”نہیں“ اس نے زمیں کو گھورتے اور لبوں پر زبان پھیرتے کہا ہم کھانا کھا چکے تو اس نے بڑا سا شاپر کھولا اور بچا ہوا کھانا اس میں ڈالنے لگی۔ ”تمہیں کہا تو تھا۔ کھا لو کھانا“ ”مجھے بھوک نہیں ہے، یہ تو بچوں کے لیے لے جا رہی ہوں“



حضرۃ مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

شکر گزار گھوڑے

اللہ تعالیٰ نے جہاد میں دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا......

”بے شک انسان اپنے ربّ کا بڑا ناشکرا ہے“(سورۃ العادیات ٦)

آیت مبارکہ میں اَلْکَنُوْدُ کا لفظ استعمال ہوا ہے......اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ . . .

اَلْکَنُوْدُ کسے کہتے ہیں؟......آج کی مجلس میں انشاء اللہ اسے سمجھنے کی کوشش کریں گے......

یوں انشاء اللہ درس قرآن کا ثواب بھی مل جائے گا......قرآن پاک کا علم بھی حاصل ہوگا......اور ایک بڑی مصیبت سے بچنے کی باہمی ترغیب بھی ہو جائے گی......سبحان اللہ! جہادی گھوڑے......

گھوڑوں کی قسمت جاگی......قرآن پاک میں اتنا والہانہ تذکرہ......اور احادیث مبارکہ میں تو فضائل ہی فضائل......شرط یہ ہے کہ گھوڑا جہاد کا ہو......تب اُس کی لید اور پیشاب بھی نیکیوں کے میزان میں تولی جائے گی......اور ان گھوڑوں کی پیشانی میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تک خیر ہی خیر رکھ دی ہے......اجر و ثواب بھی اور مال غنیمت بھی......اس سورۃ مبارکہ میں تو جہادی گھوڑوں کی تعریف فرما کر......انسان کو غیرت دلائی گئی ہے کہ......اے انسان! تو اپنے مالک کا ویسا وفادار کیوں نہیں بنتا......جیسی وفاداری مجاہد کا گھوڑا اپنے مالک کے ساتھ کرتا ہے......وہ مسلمان جن کے دینی جذبات بالکل ٹھنڈے پڑ چکے ہیں......اور وہ جنگ، جہاد اور قتال کے نام سے (نعوذ باللہ) نفرت کرتے

ہیں...... ناک چڑھاتے ہیں...... وہ اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات پڑھیں...... شاید اُن کو ''فالج'' کی ٹھنڈک سے نجات ملے...... سبحان اللہ!...... تیز رفتار ہانپتے جہادی گھوڑے...... اللہ، اللہ، اللہ...... ایسی طاقتور رفتار کہ ٹھنڈی زمین سے بھی غبار کا طوفان اڑا رہے ہیں...... اور ایسی زور دار ٹاپیں کہ...... پتھروں سے آگ نکال رہے ہیں...... اور صبح صبح دشمنوں پر ایسا حملہ...... جو اُن کے غرور اور طاقت کو غارت کر دے...... ارے افسانے نہیں...... یہ میرے رب تعالیٰ کا محکم کلام ہے...... اللہ، اللہ، اللہ...... کسی جذباتی مجاہد کی تقریر نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا ''اخلاق'' سکھانے والا سچا کلام ہے...... کسی نے خوب نقشہ کھینچا:

''جہادی گھوڑوں کو دیکھ! کس طرح مجاہدین کے اشارہ پر بے تحاشہ دوڑتے ہیں، گرد و غبار اڑاتے اور ٹاپوں سے بجلیاں گراتے، صبح کے وقت دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں...... اور گھمسان کے معرکوں میں بے دھڑک گھس جاتے ہیں...... تلواروں کی بجلیوں سے وہ نہیں گھبراتے، گولیوں کی بوچھاڑ سے وہ نہیں ڈرتے...... بس وہ اپنے مالک کے حکم پر جان قربان کرنے میں اپنی زندگی جانتے ہیں''

واقعی قرآن پاک کا عظیم کمال ہے...... گھوڑے کو بطور مثال کے پیش فرمایا...... اس پر تفسیر عزیزی دیکھیں، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ...... اپنی تفسیر میں جہاد کو خوب اجاگر فرماتے ہیں...... اس پورے خاندان پر اللہ تعالیٰ کا بہت فضل ہوا...... حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ...... اُن کے چاروں فرزند...... علم میں بھی مثالی مقام، سلوک و تقوے میں بھی ممتاز...... اور جہاد کے بے باک ترجمان...... یہ کسی عالم پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوتا ہے کہ...... وہ فریضہ جہاد فی سبیل اللہ کو اچھی طرح سمجھ لے اور پھر مسلمانوں کو سمجھائے...... حضرت شاہ ولی اللہؒ کے چاروں فرزندوں پر...... علم، معرفت اور جہاد کے بڑے بڑے دروازے کھلے...... اور علم حدیث تو ماشاء اللہ اس خاندان کا امتیازی تاج رہا...... بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ...... اپنی تفسیر میں بھی جہاد کو بغیر تاویل کے نمایاں فرماتے ہیں...... اور آپ شیخ اور مرشد ہیں حضرت سید احمد شہیدؒ کے...... بلکہ آپ ہی کی خاص نظر توجہ سے حضرت سید احمد شہیدؒ کو جہاد کے بہترین رفقاء ملے...... اور آپ ہی کے مشورے سے سید صاحبؒ نے ''احیاء جہاد'' کی تحریک شروع فرمائی...... دوسرے بیٹے شاہ عبدالقادرؒ...... سبحان اللہ! طویل عرصہ تک مسجد میں مقیم رہے اور قرآن پاک کی ایسی تفسیر لکھی کہ صدیوں کا سفر...... دنوں میں طے فرمالیا...... ''تفسیر موضح قرآن''...... اس کو ''موضح القرآن'' بھی کہتے ہیں...... دراصل یہ

ابجد کے حساب سے تاریخِ تصنیف ہے...... بڑے بڑے اہل علم کو دیکھا کہ اس تفسیر کی شان میں رطب اللسان رہتے ہیں...... اور آپ کا دوسرا بڑا کارنامہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تربیت...... بڑے بھائی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے حضرت سید شہیدؒ کو بیعت کے بعد اپنے چھوٹے بھائی حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے سپرد فرما دیا...... تمام اذکار و روحانی اسباق سید صاحبؒ نے وہاں پورے کئے...... حضرت شاہ عبدالقادرؒ ایک طرف تو جہادی تفسیر لکھ رہے تھے...... اور دوسری طرف ایک جہادی رہبر اور سچا مجاہد بھی تیار فرما رہے تھے...... تیسرے بیٹے شاہ رفیع الدینؒ...... ان کے جہادی ذوق شوق اور جذبے کا یہ عالم تھا کہ...... ایک بہت قیمتی، نایاب، دیرپا اور مضبوط تلوار بنوائی اس کو بے حد قیمتی نیام میں رکھا...... حج پر ساتھ لے گئے...... کعبۃ اللہ کے متولی سے تعلق جوڑا اور انہیں تلوار پیش کی...... کس کے لئے؟...... فرمایا! آپ کا خاندان قیامت تک کعبہ کا متولی ہے...... ازراہ کرم یہ تلوار امانت رکھ لیں اور وصیت جاری فرما دیں کہ جب امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور ہو تو اُس وقت کا متولی یہ تلوار انہیں پیش کر دے...... تاکہ اُن کے جہاد میں میرا حصہ شامل ہو جائے...... دراصل جس نے بھی قرآن پاک کو دل کی آنکھوں سے پڑھا...... اور جس نے بھی سیرت نبی کریم ﷺ کا عشق کی آنکھوں سے مطالعہ کیا...... وہ اسی طرح جہاد کا شیدائی اور آرزومند ہوتا ہے...... چوتھے بیٹے شاہ عبدالغنیؒ...... ان کا ماشاء اللہ جہاد میں بڑا حصہ ہے...... کیونکہ تاریخ اسلام کے ایک بڑے مجاہد حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ان کے فرزند ارجمند ہیں...... دیکھیں بات کہاں سے کہاں نکل گئی...... یوں سمجھیں کہ کالم بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر میدان جہاد جا پہنچا...... حالانکہ ان تمام باتوں کو لکھنے کا میرا بالکل ارادہ نہیں تھا...... آج تو مبارک مہم پر شکرانے کا موقع ہے تو...... اَلْکَنُوْدُ کے معنیٰ عرض کرنے تھے...... تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندے بنیں...... اور ''ناشکری'' کی مصیبت سے بچیں......

تذکرہ شروع ہوا تھا شاہ عبدالعزیزؒ کا...... وہ تفسیر عزیزی میں بحث فرماتے ہیں کہ سورۃ ''العادیات'' کا شان نزول کیا ہے؟...... پہلے تو وہ حضرات صحابہ کرام کے گھڑ سوار جہادی دستے کا مشہور واقعہ سناتے ہیں...... اور لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی اور اُن صحابہ کرام کے گھوڑوں کا اور دشمنوں میں گھس کر حملہ کرنے کا تذکرہ اس سورۃ میں فرمایا تاکہ مسلمانوں کو تسلّی ہو کہ...... منافقین کی خبریں جھوٹی ہیں اور مسلمانوں کا جہادی دستہ سلامت ہے'' (تفسیر عزیزی تسہیل)

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں (تھوڑا غور سے پڑھیں

''لیکن اس شان نزول میں ایک خدشہ ہے، اس واسطے کہ یہ سورۃ مکّی ہے جبکہ لشکر بھیجنے کا واقعہ

مدینہ منورہ میں پیش آیا، پس یہ واقعہ اس سورۃ کا شانِ نزول نہیں ہوسکتا اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ اس دین میں جہاد کا طریقہ مقرر فرمائے تو اُس کا اشارہ اس سورۃ میں منظور ہوا تا کہ خوشخبری ہو مسلمانوں کو اس بات کی کہ اُن کو طاقت جہاد کی اور گھوڑوں اور فوج اور لشکر کی عنایت ہوگی کہ پورا بدلہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لیں اور اُن کی جمعیت کو بکھیر دیں اور مال و ملک اُن کا اپنے قبضے میں لاویں“......(تفسیر عزیزی تسھیل)

اب آتے ہیں اَلْکَنُوْدُ کے معنیٰ کی طرف......حضرات مفسرین کے کئی اقوال ہیں...... اور قرآن پاک کے جامع لفظ میں ان تمام اقوال کو سمیٹنے کی گنجائش موجود ہے......

(۱) اَلْکَنُوْدُ کے معنیٰ اَلْکَفُوْرُ یعنی بہت ناشکری کرنے والا......

ناشکری تین طریقے سے ہوتی ہے جو انشاء اللہ آگے چل کر عرض کریں گے...... یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر جمہور کا قول ہے......

(۲) اَلْکَنُوْدُ کا مطلب ہے:

”الذی یعد المصائب وینسی النعم“

یعنی جو مصیبتوں کو تو شمار کرتا ہے جبکہ نعمتوں کو بھول جاتا ہے......(بیہقی، البغوی)

اللہ پاک حفاظت فرمائے...... بہت سے لوگوں میں یہ بُری عادت ہوتی ہے...... اللہ تعالیٰ کی ان گنت، بے شمار نعمتوں کو بھول جاتے ہیں...... اور ادنیٰ سے ادنیٰ مصیبت کو گنتے ہیں اور اُس پر واویلا کرتے ہیں...... یہ حسن بصریؒ کا قول ہے......

(۳) اَلْکَنُوْدُ کا معنیٰ ہے:

”قلیل الخیر“......اور بخیل

یعنی وہ جس کی ”خیر“ کم ہو...... لازمی بات ہے کہ خیر کم ہوگی تو شر زیادہ ہوگا...... پس ہر وہ انسان جو بخیل ہو اور اُس کی ”خیر“ کم ہو وہ اَلْکَنُوْدُ کہلائے گا...... اور جو بہت ”خیر“ پھیلانے والا ہوگا وہ اس مصیبت سے بچ جائے گا...... یہ ابو عبیدہؒ کا قول ہے۔(تفسیر معالم التنزیل)

(۴) اَلْکَنُوْدُ وہ شخص ہے:

الذی لایعطی فی النائبۃ مع قومہ

یعنی جو مصیبت اور مشکل کے وقت اپنے لوگوں کا ساتھ نہیں دیتا......

حالات اچھے ہوں تو اپنے لوگوں کے ساتھ ساتھ رہتا ہے...... لیکن جب کوئی مصیبت اپنے لوگوں پر آجائے تو اُن کا ساتھ نہیں دیتا...... بھاگ جاتا ہے، یا غیر جانبداری کا اعلان کر دیتا ہے یا دشمنوں سے جا ملتا ہے...... کھانے، پینے، عزت اور نفع اٹھانے میں ساتھی...... اور پریشانی اور مصیبت کے وقت ہرجائی...... یہ مشہور تابعی مفسر حضرت عطاءؒ کا قول ہے (البغوی)

(۵) اَلْکَنُوْدُ کے معنیٰ العاصی یعنی اللہ

تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا......

یہ عربوں کے قبیلہ کندہ کی لغت ہے......

اس لُغت میں نافرمان کو اَلْکَنُوْدُ کہا جاتا ہے......

(معالم التنزیل)

ہمارے حضرت لاہوریؒ نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا ہے...... وہ لکھتے ہیں:

''انسان اپنے ربّ کا نافرمان ہے، اور وہ اس پر گواہ ہے، اور نافرمانی کا باعث (یعنی سبب) حُبّ مال ہے...... (حاشیہ حضرت لاہوریؒ)

ابھی اَلْکَنُوْدُ پر مزید بات کریں گے انشاء اللہ...... یہاں ایک دلچسپ نکتہ سُن لیں...... وہ کفار جو اللہ تعالیٰ کے ناشکرے بھی ہیں...... ایسے ناشکرے کہ کفر اور شرک تک میں مبتلا ہیں...... اور وہ بخیل اور قلیل الخیر بھی ہیں...... مال کے انبار جمع کرتے ہیں اور انسانوں کو بھوکا مارتے ہیں...... اور وہ مال کے ایسے لالچی اور حریص ہیں کہ...... اس کی خاطر نسلوں کی نسلیں تباہ کر دیتے ہیں...... تو ایسے ظالموں پر اگر جہادی گھوڑے دوڑائے جائیں اور اُن کو ان گھوڑوں کے نیچے روندا جائے...... اور انسانیت کو ان درندوں سے نجات دلانے کے لئے گھوڑوں کے دستے ان پر حملہ آور ہوں تو...... یہ تمام انسانوں کے لئے کتنی بڑی نعمت اور نوید آزادی ہوگی...... اب اس نکتے کو ذہن میں رکھ کر اس سورۃ مبارکہ کو دوبارہ پڑھیں...... آپکی نظروں میں صدیوں کی تاریخ گھوم جائے گی...... اور بہت سے سوالات کا جواب مل جائے گا...... دنیا سرمایہ داری نظام میں جکڑی سسک رہی ہے...... کمیونزم بھی سرمایہ داری کی ایک بھونڈی اور بھیانک شکل ہے......

کہیں افراد اور کہیں حکومت جب تمام وسائل پر سانپ بن بیٹھتی ہے تو...... زمین معاشی ناہمواری سے لرزنے لگتی ہے...... اور اس پوری صورتحال اور بیماری کا علاج...... جہاد فی سبیل اللہ ہے......

والعادیات ضبحاً... تفسیر عزیزی میں ایک اور عجیب نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ...... قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کو جو سزا دے گا...... اُس کا نقشہ دنیا میں...... جہاد اور مجاہدین کے گھوڑے ہیں...... تفصیل آپ خود پڑھ لیں...... یا اگر موقع ملا تو انشاء اللہ اگلی نشست میں عرض کر دی جائے گی......

دعوت ورکنیت کی ''مبارک مہم'' اختتام پذیر ہوئی...... اس کی کچھ تفصیل...... اور اس پر شکر گزاری کے لئے آج چند الفاظ لکھنے تھے...... مگر جہادی گھوڑے...... پورے کالم پر چھا گئے...... اللہ پاک مجاہدین اور اُن کے گھوڑوں کو سلامت رکھے......

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللّٰھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

وقار النساء

مسجد اقصیٰ
کی اہمیت اور تاریخ

اقصیٰ کے معنی دور کے ہیں یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔

اس شہر القدس میں ایک تاریخی عمارت ہے جو صدیوں سے مختلف قوموں کا قبلہ چلی آرہی ہے۔ یہ مسجد اقصیٰ حرم شریف کے نام سے مشہور ہے اور اسے مسجد صخرہ (سنہری گنبد والی مسجد) بھی کہا جاتا ہے۔

شہر بیت المقدس دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک پرانا شہر اور دوسرا نیا شہر۔ پرانے شہر کے کے چاروں طرف اونچی دیوار کا احاطہ ہے اور تمام مقدس مقامات اسی پرانے شہر کی چار دیواری میں پائے جاتے ہیں۔ اس تمام احاطے کو حرم شریف کہا جاتا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے گرد 160 میٹر لمبی دیوار ہے اس کے نو دروازے ہیں۔

مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس یہ وہ مقدس مقام ہے جس کی جانب نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے ہجرت مدینہ کے بعد 16 یا 17 ماہ تک رخ کر کے نماز ادا فرمائی، اسی وجہ سے یہ مسلمانوں کے لیے قبلہ اول ہے اور اس کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔ کفار کے قبضے میں ہونے کے باوجود آج بھی الحمد للہ یہاں پر پانچ وقتہ نماز باجماعت جمعہ عیدین تراویح تہجد اعتکاف اور درس و



تدریس کا اہتمام ہوتا ہے۔

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے لیے مسجد حرام مسجد نبوی کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام ہے جو کہ سرزمین انبیاء یعنی فلسطین میں واقع ہے۔

مسجد اقصیٰ کی تاریخ ہزارہا سال پرانی ہے۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر کے بعد سب سے پہلے جو تعمیر ہونے والی عبادت گاہ ہے وہ مسجد اقصی ہے۔

بعض اسرائیلی روایات کے مطابق مسجد اقصی کی تعمیر حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام کے دور میں اس طرح شروع ہوئی کہ حضرت موسی علیہ السلام .بنی اسرائیل کے ساتھ صحرائے سینا میں کئی سال تک پھرتے رہے تو اس وقت انہوں نے اللہ کی عبادت کے لیے انہوں نے ایک خیمہ نصب فرمایا جو کہ 45 فٹ لمبا پانچ فٹ چوڑا اور 15 فٹ اونچا تھا۔ حضرت جالوت کے وقت تک یہ خیمہ ایسے ہی رہا۔ یہودی اس خیمے کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے تھے گویا یہ ان کا قبلہ تھا۔

48 قبل مسیح میں حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے اس خیمہ عبادت کو شہر بیت المقدس میں کوہ صیہون میں ایک جگہ مستقل طور پر نصب کر دیا اور اس جگہ کا نام بیت ایل یعنی اللہ کا گھر پڑ گیا۔ اسی جگہ پر اللہ رب العزت نے حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام سے کلام فرمایا۔

988 قبل مسیح میں حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام نے اس جگہ پر مستقل عمارت بنوائی یہ عمارت 20 سال میں مکمل ہوئی۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کے 415 سال بعد بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا مسجد کو جلا کر راکھ کر دیا اور تبرکات کو لوٹ لیا اس طرح اس تباہی سے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام حضرت سلیمان علیہ السلام کے تبرکات اور دوسرے آثار صفحہ ہستی سے ختم ہو گئے۔

پھر ظہور اسلام ہوا۔ 14 ہجری بمطابق 636 عیسوی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المقدس فتح ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی جگہ معلوم کی جو پادریوں نے جگہ کی نشاندہی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی جگہ نماز ادا کی اور حرم کے لیے ڈیڑھ ہزار فٹ لمبے اور ایک ہزار فٹ چوڑے احاطے کا سنگ بنیاد رکھا۔ آپ نے اس احاطے کے اندر زیتون اور سروں کے درخت لگائے اور ایک حصے پر چھت ڈال کر نماز کے لیے مخصوص جگہ بنا دی اس مسجد کو مسجد عمر کہا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کے بعد 72 ہجری میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے مسجد اقصی کی دوبارہ تعمیر کی۔ آپ نے 35 ایکڑ رقبہ مسجد اقصی کے لیے مختص کیا۔ سات سال میں اس کی تعمیر مکمل

ہوئی۔ ولید بن عبد الملک کے دور خلافت میں مکمل ہوئی۔ 80 میٹر لمبی 55 میٹر چوڑی 23 مرمری اونچے ستونوں اور 45 چھوٹے ستونوں پر یہ عمارت مشتمل ہے۔ مسجد کے 11 گیٹ ہیں۔ سات شمال میں ہیں۔ مسجد کی پانچ مرتبہ تعمیر کی گئی موجودہ تعمیر 135 عیسوی کی ہے

مسجد میں 50 ہزار مسلمان بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔

ہائے ستم ظریفی بیت المقدس کی کہ ہمیشہ بیت المقدس حملہ آوروں کی زد میں رہا۔ 199 عیسوی کو عیسائی حملہ آوروں نے حملہ کیا۔ مسجد اقصیٰ پر قبضہ کر کے اسے گرجا گھر میں تبدیل کر دیا۔ کئی حصوں کو رہائش گاہ کے طور پر استعمال کیا۔ ہزاروں مسلمانوں کا اور بچوں کا قتل عام کیا۔

پھر بالآخر 12 اکتوبر 1187 ہجری کو وہ عظیم دن آیا جب جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا اور مسجد اقصیٰ میں کی گئی تبدیلیوں کو ختم کر کے مسجد اقصیٰ کو اس کی پرانی حالت پر قائم کیا۔

مسلمانوں نے مسلسل ایک ہفتے تک پانی اور عرق کے گلاب سے مسجد اقصیٰ کو غسل دیا۔

1967 میں ایک آسٹریلوی سیاح نے مسجد اقصیٰ کو اگ لگا دی اس میں عظیم الشان ممبر جو کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب سے لا کر رکھا تھا، جل گیا اور مسجد کا ایک حصہ شہید ہو گیا۔

اس کے بعد پھر ایک بار یہود و نصاری کی سازش سے بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔ تب سے لے کر آج تک وہ مسجد میں مسلمانوں کو داخلہ روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

آج ایک مرتبہ پھر مسجد اقصی کسی صلاح الدین ایوبی کی منتظر ہے جو اسے یہود کے چنگل سے آزادی دلائے مگر ہائے افسوس ہم اور ہمارے حکمران یہ بھول چکے ہیں کہ ہمارا قبلہ اول دشمنوں کے نرغے میں ہے۔

اللہ رب العزت مسلمانوں کو ایسی قوت عطا کریں کہ وہ یہود کے نرغے سے قبلہ اول کو آزاد کرواسکیں۔

کوپن برائے ''وہ کون تھا؟''

نام: ....

ولدیت: ....

مکمل ایڈریس: ....

تعلیم: ....

جواب: ....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)



شانِ حضرت رقیہ بنت محمد رضی اللہ عنہا

دانیال حسن چغتائی

سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کی صاحب زادیاں ایمان لانے میں پیش پیش ہیں۔ جس وقت ان کی والدہ ایمان لائیں تو ان کے ساتھ ہی یہ صاحب زادیاں بھی مسلمان ہو ئیں۔ (طبقات ابن سعد)

ابتدائی حالات

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں۔ آپ کی والدہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے تین سال بعد پیدا ہوئیں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً 33 سال تھی۔

آپ نے اپنی بہنوں کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں تربیت پائی۔ خواتین میں

پہلا نکاح

اسلام کے اعلان سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحب زادیوں رقیہ اور ام کلثوم کا نکاح اپنے چچا ابولہب کے دونوں لڑکوں عقبہ اور عتیبہ کے ساتھ کر دیا تھا۔ یہ صرف نکاح ہوا تھا۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

پھر اسلام کا آغاز ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی۔ توحید کی آیات اتریں۔ شرک اور کفر کی برائی بیان کی گئی۔ یہاں تک کہ سورت لہب، ابولہب کے نام کے ساتھ

نازل ہوئی۔ اس پر کفار مکہ کی دشمنی عروج پر پہنچ گئی۔ ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا:

''اگر تم محمد بن عبداللہ کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میں تمہیں منہ نہیں لگاؤں گا اور تمہارا چہرہ تک نہیں دیکھوں گا۔''

باپ کے کہنے پر دونوں بیٹوں نے طلاق دے دی اور دراصل یہ ان صاحبزادیوں کی غیبی مدد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ پاک صاحب زادیاں عقبہ اور عتیبہ کے ہاں نہ جائیں۔ اس سارے معاملے میں دونوں صاحب زادیوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیاں ہونے کی بنیاد پر ایسا کیا گیا تھا۔ جب ابو لہب کے لڑکوں نے دونوں صاحب زادیوں کو طلاق دے دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت رقیہ کا نکاح مکہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر دیا۔

حسن و جمال

اللہ تعالیٰ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حسن و جمال بھی بہت عطا فرمایا تھا۔ جب آپ کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس دور کی عورتیں اس شادی پر رشک کرتی تھیں، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بہت حسین و جمیل تھے۔ وہ عورتیں کہا کرتی تھیں: انسانوں نے جو حسین ترین جوڑا دیکھا ہے، وہ رقیہ اور ان کے خاوند عثمان ہیں۔

ہجرت

یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ کفار طرح طرح کے ظلم ڈھا رہے تھے۔ ان حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ لوگ اگر حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں تو یہ ان کے لیے بہت بہتر رہے گا۔ اس لیے کہ حبشہ کا بادشاہ بہت نیک انسان ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا، وہاں تم آرام اور سکون سے رہ سکتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی کی کوئی صورت فرما دیں گے۔

اس پر چند افراد حبشہ کی طرف نکل پڑے۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی ہجرت تھی۔ قرآن کریم میں اس ہجرت کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: جن لوگوں نے ستم رسیدہ ہونے کے بعد اللہ کے راستے میں ہجرت کی اور اپنا وطن چھوڑا، ان لوگوں کو ہم دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔ (سورۃ النحل آیت 41)

اب جو صحابہ کرام اس ہجرت کے لیے مکہ سے نکلے، ان میں حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھے۔ ہجرت کا یہ واقعہ نبوت کے پانچویں سال پیش آیا۔

ہجرت کرنے والے ان صحابہ کرام نے حبشہ میں کچھ مدت گزاری، پھر مکہ واپس آگئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ

رضی اللہ عنھا کے ساتھ واپس آگئے لیکن اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا چکے تھے۔

لہٰذا حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما نے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ یہ ان کی دوسری ہجرت تھی۔ اس طرح انہیں دو مرتبہ ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔

حبشہ میں رہائش کے دوران حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ ان کا نام عبد اللہ رکھا گیا۔ اس بچے کے نام کی نسبت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔

علالت

2 ہجری میں غزوہ بدر پیش آیا۔ اس غزوے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے۔ انہی دنوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا بیمار ہوئیں۔ بیماری شدید تھی اور پھر آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ غزوہ کے لیے بالکل تیار تھے۔ ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

رقیہ بیمار ہیں، آپ ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی ٹھہر جائیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھی مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آپ کے لیے بدر میں حاضر ہونے والوں کے برابر اجر ہے اور مال غنیمت میں بھی آپ کا حصہ ہے۔

وفات

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری شدید ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر حاضری میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی تیمارداری بھی فرمائی اور اس کے بعد کفن دفن کا انتظام بھی کیا۔

ادھر میدان بدر میں کفار کو شکست ہوگئی۔ جس وقت فتح کی خبر مدینہ پہنچی، اس وقت لوگ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر چکے تھے اور اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ ہجرت مدینہ کے سترہ ماہ بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا کا انتقال ہوا تھا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنھا کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ تھے۔ ایک غم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تھا کہ ان کی وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر حاضری میں ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری لمحات میں بھی ان کے پاس نہیں تھے۔ یہاں تک کہ کفن دفن میں بھی حصہ نہیں لے سکے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی ان پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔

☆......☆......☆

ایمان افروز واقعات

صوبیہ گلزار

ایک چوہے کا اونٹ کی لگام تھامنے کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک چوہے نے ایک اونٹ کی لگام ہاتھ میں لے کر بھاگنے کی کوشش کی، اونٹ نے یہ حرکت دیکھ کر اس بے وقوف کو اور ڈھیل دی اور اپنے کو اس کے تابع کر دیا۔

آگے آگے وہ چوہا چل رہا تھا۔ پیچھے پیچھے یہ اونٹ تابعدار غلام کی طرح چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دریا سامنے آگیا۔ اب تو چوہے کے اوسان خطا ہوئے اور سوچنے لگا کہ اب تک تو میں نے ایسے عظیم القامت جسم کی رہبری کی اور مجھے یہ فخر تھا کہ ایک اونٹ میرے تابع ہے مگر اب آگے پانی میں رہبری کس طرح کروں؟ یہ سوچتے ہوئے وہیں چوہا کھڑا ہو گیا۔

اونٹ نے اس کی مصنوعی تعریف کرتے ہوئے کہا:

اے میرے پہاڑ اور جنگل کے ساتھی! یہ رکنا کیسا؟ اور یہ حیرانی کیوں؟ دریا کے اندر مردانہ قدم رکھ دے۔

چوہے نے کہا کہ مجھے تو اس میں ڈوب جانے کا خوف ہے۔



اونٹ نے کہا کہ اچھا صبر کرو ذرا میں دیکھتا ہوں کہ پانی کس قدر ہے آیا تم ڈوب سکو گے یا نہیں، چنانچہ اونٹ نے ایک قدم دریا میں رکھ کر کہا، ارے چوہے! اوارے رہبر! صرف گھٹنے تک پانی ہے یہاں تک تو رہبری کیجئے! چوہے نے جواب دیا کہ جناب! جہاں پانی تمہارے گھٹنے تک ہے وہاں تو میرے سر سے بھی کئی گنا اونچا ہوگا، ذرا دیکھو تو میرے اور تمہارے زانوں میں کتنا فرق ہے۔

اونٹ نے اس کی حماقت واضح کرتے ہوئے کہا کہ اب گستاخی نہ کرو، سیدھے سیدھے پانی میں آکر رہبری کرو، آپ کو تو میری رہبری پر بڑا ناز وفخر تھا۔

ارے احمق! میں نے تیرے پیچھے اس لیے اقتداء کی تھی تاکہ تیری حماقت اور زیادہ ہوجائے۔

چوہے نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا کہ پانی میں اترنا تو میری ہلاکت ہے۔ میری توبہ ہے آپ معاف کردیجئے! آئندہ آپ کو راستہ دکھانے کا کبھی خیال بھی میرے دل میں نہ گزرے گا۔

اس نے مزید لجاجت سے کہا:

میں نے اللہ کے لیے توبہ کی میری جان اس خطرناک پانی سے چھڑا لیجئے۔

اونٹ کو چوہے کی توبہ اور ندامت پر رحم آیا اور اس نے کہا کہ چلو اچھا میری کوہان پر بیٹھ جا اور دیکھ! تیرے جیسے سو اور چوہے بھی میری پیٹھ پر بیٹھ کر ایسے پانی سے بحفاظت گزر سکتے ہیں۔

اونٹ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ اگر تجھ کو خدا نے سلطان اور بادشاہ نہیں بنایا تو رعایا بن کر رہ اور جب تجھے ملاّحی نہیں آتی تو کشتی مت چلا۔ اگر تو پتھر کی طرح بے حس ہے یعنی خشیت وخوف آخرت سے محروم ہے تو جا کسی اہلِ دل اللہ والے سے تعلق قائم کرکہ اس کی صحبت سے تو موتی بن جائے گا۔

مولانا رومؒ اس واقعہ کے بعد نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ والے اپنے باطن میں بڑی دولت رکھتے ہیں ان کے سامنے ساتوں براعظموں کی سلطنت بھی ہیچ ہے۔ کیونکہ پوری کائنات کے خالق سے ان کے دل کا رابطہ قائم ہوچکا ہے۔ لہٰذا انہیں حقیر مت سمجھو اور اپنے روز وشب کو ان کے روز وشب پر قیاس مت کرو اور اس چوہے کی مانند اپنے دنیاوی ٹھاٹ باٹھ یا علمی وعملی جاہ سے دھوکہ نہ کھاؤ، اگر تم کسی طرح بھی ان پر برتری کا احساس رکھو گے تو ہمیشہ ان کے فیض سے محروم اور ذلیل ہوگے، بالآخر انہیں کی پیٹھ پر بیٹھ کر ہی اللہ کا راستہ طے کرنا پڑے گا اور اسی چوہے کی طرح توبہ کرنی ہوگی اس لیے روز اول ہی سے اپنے دماغ سے فانی دنیا کی جاہ وعزت اور مال ودولت اور علم ظاہری اور بے روح عمل کا پندار نکال کر کسی اللہ والے سے نیاز مندانہ تعلق کرلو اور ان کی تعلیمات کے مطابق عمل کرو اور ان سے اپنے نفس کی اصلاح کرالو خوب یاد رکھو! چند دن کے بعد اس حقیقت سے تم خود آگاہ ہوجاؤ گے۔

ہاتھی کے بچے کے قتل کا واقعہ

ہندوستان کا واقعہ ہے کہ ایک عقلمند نے اپنے

دوستوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ لوگ کسی سفر میں وطن سے بہت دور جانکلے ہیں اور بھوک سے بے چین ہیں، اس عقلمند نے انہیں مشورہ دیا کہ دیکھو تمہارے سامنے ہاتھی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کا شکار ہر گز مت کرنا کہ ہاتھی کہیں گیا ہوا ہے وہ واپس آکر تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔

میری نصیحت کو غور سے سن لو لیکن بھوک کے سبب ان سے صبر نہ ہوا اور انہوں نے ایک بچہ ہاتھی کا پکڑا اور ذبح کر کے اس کے کباب بنا کر کھائے۔اس عقلمند نے کہا:

کاش! تم لوگ جنگلی گھاس کھالیتے لیکن اس فعل سے احتیاط کرتے! اب اس کا انجام بھی تم لوگ دیکھ لو گے۔ اس گروہ کے ایک شخص نے اس عقلمند فقیر کی نصیحت پر عمل کیا اور اپنا پیٹ ہاتھی کے بچے کے گوشت سے محفوظ رکھا اور کچھ پتے اور گھاس کھا کر اس گروہ سے دور سو گیا۔ کیونکہ اس نے سوچا کہ ظالموں کے ساتھ رہ کر میں بھی انہیں میں شمار ہو جاؤں گا اور ہاتھی مجھے بھی نہ چھوڑے گا۔ تھوڑی دیر میں ہاتھی آیا اور اپنے بچے کا خون دیکھا تو سمجھ گیا اور شدت غضب وغصہ سے اس کی سونڈ سے آگ اور دھواں نکلنے لگا۔ پس وہ وہاں آیا جہاں یہ لوگ سوئے ہوئے تھے اور ایک آدمی کو دیکھا کہ الگ سویا ہوا ہے پہلے اسی دور سوئے ہوئے کا منہ سونگھا اور تین مرتبہ اس کے گرد چکر لگایا مگر اس میں اپنے بچے کے گوشت کی بو کو نہ پایا۔ اس کو بے گناہ سمجھ کر معاف کر دیا اور پھر وہ آگے بڑھا پھر اس گروہ کے پاس گیا اور ہر ایک کا منہ سونگھا اور ہر ایک کو اپنے بچے کے قتل کی پاداش میں سونڈ سے کھینچ کر دو ٹکڑے کر کے ہواؤں میں بکھیر دیا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اب مولانا روم ؒ یہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم خدا کی مخلوق کی جانوں کو ہلاک کرتے ہو اور اموال کو غصب کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی ان ظالموں سے خوب باخبر ہے۔

اس واقعہ کو ذکر فرما کر میرے مرشد و شیخ حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری ؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھی کو اپنی بدبختی سے چھیڑ دینا اتنا خطرناک نہیں (کیونکہ وہ اپنی تکلیف کا تحمل کرلے گا) جتنا کہ اس کے بچوں کو چھیڑنا خطرناک ہے۔ یعنی پھر وہ کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ پھر اس مثال سے نصیحت فرمایا کرتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی توبہ سے معاف ہو جاتی ہے، مگر اللہ والوں کو ستانے والوں سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتا ہے اور ان کو کیفر کردار تک پہنچاتا ہے۔

دوسروں سے دعا کی درخواست کرنے کی فضیلت

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ:

اے موسیٰ! مجھ کو ایسے منہ سے پکارو جس منہ

سے کوئی خطا نہ ہوئی ہو۔

عرض کیا: اے ہمارے رب! ہمارے پاس ایسا منہ تو نہیں ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہم کو دوسروں کی زبان سے پکارو یعنی دوسرے سے دعا کے لیے کہو دوسرے کی زبان سے تم نے خطاء نہیں کی، اس لیے تمہارے حق میں وہ بے خطاء ہے۔

یاد رہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو تعلیم دینا مقصود ہے کیونکہ امت ہی خطاء کار اور گنہگار ہوتی ہے جبکہ پیغمبر تو معصوم ہوتا ہے۔ بظاہر خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے مگر دراصل آپ کی امت مخاطب ہے۔

اسی بات کو حضرت مولانا رومؒ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ذکر پاک ہے جب ان کا نام لو گے تو تمہارے منہ میں پاکی آجائے گی اور ناپاکی اپنا بستر باندھ کر رخصت ہو جائے گی۔ کیونکہ ہر ضد اپنی ضد سے بھاگتی ہے، جب دن اپنی روشنی کرتا ہے تو رات بھاگ جاتی ہے۔ یعنی نور کے ساتھ تاریکی جمع نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ اصول ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے، اسی طرح اللہ کے نام کی پاکی تمہاری ناپاکی کو دور بھگا دے گی۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ طے کرنے والوں کے لیے عظیم نصیحت ہے کہ جس حال میں بھی ہوں خواہ کتنے ہی گناہوں اور برائیوں میں مبتلا ہوں، مگر اپنی گندگی اور پلیدی کے سبب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں دیر نہ کرو اور اصلاح کا انتظار نہ کرو، بلکہ خود اصلاح بھی ذکر ہی کی برکت سے آسان ہو جائے گی، کیونکہ ذکر ہی کے نور سے گناہوں کی تاریکی کا احساس بھی ہوتا ہے کہ ہر شے اپنے ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے۔

چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ذاکر سے جب خطاء ہوتی ہے تو فوراً اسے توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔ کیونکہ ذکر کے نور سے گناہوں اور برائیوں کی تاریکی کا احساس فوراً دور ہو جاتا ہے اور ذکر کے عطر کے بعد گناہوں کی بدبو کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ جس سے جلد توبہ کر کے دل صاف کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ صاف و شفاف لباس والا معمولی سی گندگی کے دھبے کو برداشت نہیں کر پاتا، جب تک دھو نہیں لیتا چین نہیں ملتا اور گندے لباس والے کو اول تو دھبہ نظر نہ آئے گا کہ پہلے ہی سے کافی دھبے ہیں دوسرے یہ کہ معلوم ہو جانے پر بھی دھونے کا دل میں تقاضا نہیں ہو گا۔ انہیں مصالح کے پیش نظر اللہ والے سالکین کو پہلے ہی ذکر شروع کرا دیتے ہیں۔ اس کی برکت سے آہستہ آہستہ سب اصلاحات شروع ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والوں کے لیے خوشخبری کا ایک واقعہ

ایک درویش ایک رات بہت ہی اخلاص سے اللہ کا نام لے رہا تھا حتی کہ اس پر خلوص ذکر کی برکت سے اپنے منہ میں مٹھاس محسوس کر رہا تھا۔

شیطان نے اسے ورغلانے کے لیے کہا:

اے صوفی! خاموش ہو جا! کیونکہ بے فائدہ ذکر کی کثرت کر رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے تو کوئی جواب تجھے ملتا نہیں۔ پھر یک طرفہ محبت کی پینگ بڑھانے سے کیا فائدہ؟

چنانچہ شیطان کی ان پر فریب باتوں سے اس نیک آدمی کا دل ٹوٹ گیا اور افسردہ ہو کر سو گیا اور ذکر کو ملتوی کر دیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور دریافت کر رہے ہیں کہ:

تو نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیوں چھوڑ دیا ہے؟ صوفی نے جواب دیا کہ اللہ کی طرف سے لبیک کی آواز نہیں آتی، جس سے دل میں خیال آیا کہ میرا ذکر قبول نہیں۔ لہٰذا میں نے بے فائدہ سمجھ کر اسے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تیرے لیے اللہ نے پیغام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے اس بندہ سے کہہ دو:

اے میرے بندے! تیرا اللہ کہنا ہی میرا لبیک ہے، یعنی جب تیرا پہلا اللہ قبول ہو جاتا ہے، تب دوسری بار تجھے اللہ کہنے کی توفیق ہوتی ہے، لہٰذا یہ دوسری بار اللہ کہنا میری طرف سے لبیک ہے اور سنو! میرے بندے! تیرا یہ نیاز اور میرے عشق میں یہ سوز و درد سب میری طرف سے قبولیت کا پیغام ہے۔ میرے بندے! تیرا میری ذات سے خوف اور تیرا میری ذات سے عشق میرا ہی انعام ہے اور میری ہی مہربانی ومحبت کی کشش ہے، لہٰذا تیرے ہر بار یارب اور یا اللہ کی پکار میں میرا لبیک بھی شامل ہے۔ یعنی جب تو یا اللہ کہتا ہے تو میری یہ لبیک کی آواز بھی وہیں موجود ہوتی ہے کہ حاضر ہوں میں اے میرے بندے! میں تمہارے قریب ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لیے اس حکایت میں بڑی خوشخبری ہے پس ذکر کے وقت یہ تصور بھی رکھا جائے کہ ہمارا پہلا اللہ کہنا قبول ہوتا ہے جب ہماری زبان سے دوبارہ اللہ نکلتا ہے اور یہی دوبارہ اللہ نکلنا پہلے اللہ کی قبولیت کی علامت ہے۔ ذکر کرنے والوں کو مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ذکر کی آخری سانس تک توفیق بخشے (آمین)

مذکورہ بالا واقعہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ بندے کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو کر اپنے اعمال، نماز، روزہ اور ذکر و تسبیحات کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ نہ معلوم اس کے یہ اعمال اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اعمال کی توفیق مل جانا ہی ان کی قبولیت کی علامت ہے۔

☆......☆......☆

چٹاخ

چہرے پر تھپڑ پڑتے ہی وہ لڑکا نیچے گرتا چلا گیا۔کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُس کو سہارا دے کر کھڑا کر دے۔اُدھیڑ عمر آدمی ہاتھ میں رجسٹر

''ہاں جی جناب!تمہیں میں اور ڈنڈا بلا رہا ہے۔ادھر تشریف لاؤ!'' ہوا میں ڈنڈا لہراتے ہوئے استاد جی نے پھر اُسے حیرت میں ڈالا۔

''لیکن جناب....!میں نے تو آج کوئی غلطی



پاک لوگوں کی پاک جگہ

حفصہ حمیرا بنت عبداللہ

پکڑے دوسرے ہاتھ سے ڈنڈا پکڑے کھڑا تھا۔

''سرفراز کہاں ہے؟''

''ادھر آؤ!'' آواز میں نرمی تھی مگر ہاتھ میں ڈنڈا دیکھ کر سرفراز حیران و پریشان کھڑا ہوا۔

''استاد جی! مجھے بلایا؟''

لہجے میں بے اعتباری تھی۔

نہیں کی۔پھر سزا کیوں؟''

اُسے یاد تھا آج وقت پر سکول آیا تھا۔سبق بھی سارے سنائے تھے۔کام بھی لکھا تھا۔پھر کیوں؟

''کھاتے میں دو ڈنڈے پچھلے ہیں جو تم نے پچھلی دفعہ کہا تھا۔''

''استاد جی!بعد میں مار دیجئے گا۔''

''اب کھاؤ تم! میں سب کے ساتھ انصاف کرتا ہوں باقی سب کو پورے پورے ڈنڈے لگے ہیں، تو تم پیچھے کیسے رہ سکتے ہو۔''

استاد جی نے پٹائی کے ساتھ ہی اُسے جانے کا اشارہ کیا۔

''استاد جی! اب رجسٹر سے میرا کھاتہ صاف کردیں۔ اب میرا ایک بھی ڈنڈا نہیں رہتا۔'' سرفراز نے لڑکھڑاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہوا، یہ لو کاٹ دیا۔'' استاد جی نے کاغذ پر سرفراز کے نام کے اوپر لائن لگاتے ہوئے کہا۔

''جناب! چھٹی کا وقت ہوگیا ہے اور آج گاڑی بھی تھوڑی جلدی آئے گی تو آپ نے جانا نہیں ہے؟'' نیند سے بوجھل پلکوں کو اُٹھاتے ہوئے علی نے بظاہر فکرمندی سے کہا۔ انتظار تو استاد جی کے جانے کا تھا۔

استاد جی نے اپنا کالے رنگ کا بیگ اٹھایا (جس میں کپڑے اور جوتے تھے اور دو تین کتابیں)

کیونکہ اگر گاڑی چلی جاتی تو آج رات بھی اُن کو یہیں رہنا پڑتا۔ اس سکول میں رہنے کی وجہ سے وہ اچھے خاصے بیمار ہوچکے تھے۔

ایسا سکول جسکی دیواریں تو شاید بنائی ہی نہیں گئی تھیں ایک دفعہ بھول کر کہہ دیا تو گاؤں والوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہوا رک جائے گی۔ ابھی آدھا رستہ طے کیا تھا کہ اُس کی ملاقات ملکو سے ہوئی۔

''کیا حال ہے استاد رحمت صاحب؟'' اُس نے غور سے اُستاد جی کا چہرہ دیکھا۔

''ٹھیک! آپ سنائیں کیسے ہیں؟ آج کل نظر نہیں آتے؟'' اُستاد جی نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

''میں..؟ وہ گاڑی والے ٹکّو بھائی، ارے جو کرایہ لیتا ہے۔ وہ گلاب بھائی اُس کے ساتھ گیا تھا'' ملکو نے اپنی بڑی بڑی زلفیں لہرائیں۔

''اللہ خیر کس سلسلے میں؟'' استاد جی نے تھوڑا تعجب سے سوال کیا۔

''کس سلسلے میں؟ کیا بات کرتے ہیں۔ آپ جانتے تو ہیں وہ ہر سال کسی نا کسی کو لے کر جاتے ہیں، اس سال میری باری تھی، دین کے بارے سیکھنے کا شوق ہی بہت زیادہ ہے مجھے۔

میرے جیسے ان پڑھ کو بہت کچھ سکھایا اور ابھی تو کہہ رہے تھے رُک جاؤ! اللہ کے خاص بندے سے ملوانا ہے جسکی ہر بات سچی ہے اور جو اُس سے مل لے اللہ اُس سے خوش ہوجاتا ہے۔''

ملکو نے قصیدے پڑھنے شروع کردیئے۔

استاد جی کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی تو تم وہ دشمن ہو جو چھپ کر وار کر رہے ہو تم ان معصوموں کو راہ نجات سے دور کر رہے ہو۔

ہم ہندوؤں انگریزوں سے بچتے رہے کہ وہ خطرناک ہیں لیکن تم تو اُن سے بھی زیادہ خطرناک

ہو۔وہ کھلے عام حملہ کرتے ہیں اور صرف جسموں پر وار کرتے ہیں لیکن تم چھپ کر ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ چھین رہے ہو۔

ایک دفعہ اسی گلاب نے اُستاد جی سے کہا تھا کہ اگر تم میرے دین پر آجاؤ تو تم ان پچاس روپے کے استاد نہیں رہو گے۔تبھی انہیں اس پر شک ہوگیا تھا ہونا ہو یہ کسی خاص مقصد سے یہاں آیا ہے۔تھوڑے دن بعد یقین ہوگیا تھا کہ وہ کافر جو نبوت کا دعوی کرتا ہے۔یہ اُس کا بھیجا بندا ہے اور گاؤں والوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔

اِسے اس گاؤں سے جانا ہوگا لازمی اور بہت جلدی نہیں تو بہت دیر ہو جائے گی۔

"اُستاد جی کس کو دیر ہو جائے گی؟"، ملکو نے اتنی دیر سے چپ کی تسبیح کرتے رحمت صاحب کی بات پر سوال کیا۔

"ہوں، کیا وہ مجھے دیر ہو رہی ہے۔اچھا! میں چلتا ہوں ریل گاڑی نکل جائے گی۔"

☆......☆......☆

ہر طرف بھاگنے کا شور تھا۔بڑی تعداد میں لوگ جا رہے تھے اور وقفے وقفے بعد ایک ہی جملہ دوہرا رہے تھے۔

"سامان اُٹھاؤ! جلدی کرو نکلو یہاں سے۔ ہمیں ہمارا وطن مل گیا ہمیں جانا ہوگا۔ساری دولت اکٹھی کرو!"

اپنے ہمسائے کے گھر سے آتی آواز کو سن کر وہ آگے جانے لگا۔لیکن اُس کی ماں نے اُسے پکڑا اور لے کر اندر چلی گئی۔

"اماں! ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ میری دولت بھی اُن کے پاس ہے۔مجھے لینے جانا ہے۔"

"نہیں بیٹا! وہ نہیں لے کر جائیں گے بعد میں اُٹھا لیں گے۔" اماں نے اُس کو پیار سے سمجھایا کیونکہ ہندو جا رہے تھے اور جو بھی رستے میں آتا تھا چاہے وہ کوئی مسلمان ہو اُسے مار دیتے تھے۔ مسلمان ہجرت کر کے آ رہے تھے اور ہندو سب کو لوٹ مار کر جا رہے تھے۔مدد تو اُن کو بھی اپنے مسلمان بھائیوں بہنوں کی کرنی تھی لیکن دولت کے بغیر کیسے اور وہ دولت تو اُن کے گھر تھی۔

جب اماں خیالوں سے نکلی تو بیٹے کو سوتے ہوئے پایا۔وہ مطمئن سی اُس کے ساتھ لیٹ گئی۔لیکن وہ سویا نہیں تھا اُسے اپنی دولت حاصل کرنی تھی، ہر صورت۔

☆......☆......☆

جلدی جلدی چلنے کے باوجود بھی وہ آخری ڈبے میں سوار ہو سکے تھے۔

"جناب کیا ہوا؟ بڑی جلدی میں لگتے ہیں؟" گلاب نے اپنے دانتوں کی نمائش کی۔

"استاد رحمت آپ؟ ادھر میرے پاس بیٹھیں!" وہ خاموشی سے ساتھ والی جگہ پر بیٹھ گئے

انہیں جو بھی کرنا تھا خاموشی سے کرنا تھا۔

استاد جی نے گاؤں سے بھری ریل گاڑی میں نظریں دوڑائیں جو لوگوں سے بھری پڑی تھی۔ ان کی آپس میں محبت کو دیکھ کر کوئی بھی سامنے نہ آتا تھا کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور اتفاق میں ہمیشہ برکت ہوتی ہے۔ اس لیے آہستہ آہستہ چھپ کر ایک ایک کو الگ کر رہے تھے اور اُن کافروں کی اس سازش کو معصوم اور بھولے گاؤں والے سمجھنے سے قاصر تھے۔ استاد جی کو کچھ ایسا کرنا تھا جس سے گاؤں والے دوبارہ اس گلاب کو دیکھ بھی نہ سکیں۔

انہوں نے اپنی زمینیں اور جائیدادیں حتی کہ اولاد کو بھی دین اسلام کی حفاظت اور اِس کو پھیلانے کے لیے چھوڑا تھا اسی لیے وہ باقی کی زندگی مکمل طور پر اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق گزارنا چاہتے تھے۔ اسی لیے اگر انہیں کہیں بھی خبر ہوتی کہ فلاں جگہ پر تعلیم دی جاتی ہے وہ اُسی طرف بھاگ پڑتے تھے اور ایسی بات کا گلاب جیسے لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہے۔

وہ سوچ سوچ کر تھک چکے تھے۔ ایک ٹھنڈی سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

''پاکستان کا مطلب ہے پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ'' استاد جی نے بچوں کی طرف دیکھا، آج سارے بچے حاضر دماغی سے کام لے رہے تھے آخر دو دن کی چھٹی کے بعد جو آئے تھے سکول۔

''مگر استاد جی ...'' اپنی بات ادھوری چھوڑ کر استاد جی کی طرف دیکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو آج پھر مار پڑ جائے اگر اُستاد جی کا آج دل نہ کیا تو کھاتے میں لکھ لیتے ہیں۔

''ہاں بولو!''

اُستاد جی بھی سمجھ گئے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو سختی کی وجہ سے بچے پڑھنا ہی چھوڑ دیں۔ اسی لیے نرم لہجے میں پوچھا۔

''اگر سارے ملکوں کے اور شہروں کے نام ایسے ہیں تو پھر ہمارے ملک کا نام مسلمستان کیوں نہیں؟ یہ بھی تو رکھا جا سکتا تھا نا؟'' سرفراز نے الجھن بھرے چہرے کے ساتھ سوال کیا۔

''بالکل رکھا جا سکتا تھا، لیکن پھر بھی پاکستان رکھا گیا۔ مطلب پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ جہاں صرف اور صرف ایسے لوگ بستے ہوں جو پاک ہوں، جن کے دل ایک دوسرے کو خوش دیکھ کر خوش ہوتے ہوں۔

اگر ایک مسلمان بھائی تکلیف میں ہو تو سارے مسلمان خود کو تکلیف میں محسوس کریں۔ کیونکہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں اگر جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہو تو پورا جسم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

''پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ یعنی ہمارا

پاکستان“سارے بچوں نے بلند آواز میں کہا۔
استاد جی یکدم اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
”اُستاد جی ابھی تو چھٹی نہیں ہوئی۔“علی نے اُستاد جی کو بیگ اٹھاتے دیکھا تو پوچھ بیٹھا۔
”آج تھوڑا کام ہے،تم لوگ اب گھر جاؤ!“ یہ کہتے ہیں اُستاد جی سکول سے نکل گئے۔اُس کے کانوں میں بچوں کی آوازیں تھیں۔ پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ یعنی ہمارا پاکستان۔

☆......☆......☆

”شاید وہ لوگ اب چلے گئے ہیں۔مجھے اُن کے گھر میں جا کر دیکھ لینا چاہیے۔“
تین چار گھنٹے بعد شور کم ہوتا محسوس کیا،اسی لئے بنا آہٹ کے اٹھا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔
ساتھ والے گھر میں بالکل خاموشی تھی وہ چپکے اس کمرے کی طرف بڑھا جس کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔
”پتا نہیں کچھ چھوڑا بھی ہے یا نہیں؟“ یہ سوچتے ہوئے جب اُس نے سامنے والی الماری کھولی تو اچانک اُس کا چہرہ کھل اٹھا۔
”شکر ہے سب کچھ یہیں ہے۔“اس سے پہلے کہ اماں آئے میں جلدی سے لے جاتا ہوں۔
احترام کے ساتھ الماری سے اپنے ساتھ لائے ہوئے تھیلے کو بھر دیا۔تھیلے کو کندھے پر رکھا اور واپس گھر کی طرف لوٹا۔
”کہاں گیا تھا پتر رحمت؟“ اماں نے کمر پر لٹکتے وزن کو دیکھا۔
”یہ لینے گیا تھا“رحمت نے تھیلے کو پاس پڑی چارپائی پر الٹایا۔
دھڑ کی ہلکی آواز کے ساتھ کتابیں اور کاپیاں گرتی چلی گئیں۔آدھی چارپائی کتابوں اور کاپیوں سے بھر گئی۔
”ٹھیک کہا آپ نے اماں!وہ میری دولت کو چرا نہ سکے کیونکہ میرے استاد جی نے کہا تھا کہ علم وہ دولت ہے جو کوئی چرا نہیں سکتا۔
اور اماں ایک راز کی بات بتاؤں؟“ آواز قدرے آہستہ تھی۔
”ہاں پتر!جلدی بتا مجھے خبر ہے راز کی بات تیرے پیٹ میں نہیں رہ سکتی“اماں جانتی تھی پھر کوئی کتابی بات کرے گا۔
”اس دولت کی ہر بچے کو تلاش ہے،اور بعد میں بھی ہو گی۔جتنا زیادہ میں اِس کو چھپاؤں گا اُسی تیزی سے یہ کم ہو گی اور بانٹنے سے لوگوں کی مدد کے ساتھ ساتھ میری دولت میں بھی اضافہ یعنی علم میں“رحمت کتابوں کو ترتیب دینے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اگر مجھے مدد کرنی ہے تو رحمت کو پڑھانا ہوگا چاہے کتنے ہی مشکل حالات کیوں ناں ہوں۔
”میں تجھے پڑھاؤں گی لیکن تو پڑھ لکھ کر استاد بننا“اماں نے رحمت کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہوگیا اماں! میں استاد بنوں گا اور اپنے وطن کو اس دولت سے بھر دوں گا''

☆......☆......☆

''یہ دیکھو! پورے دس روپے زیادہ لے لیے مجھ غریب سے۔'' اچانک پرسکون ریل گاڑی میں شور ہوا۔

یہ رحمت استاد ہی تھے جو اُونچا اونچا بول رہے تھے تاکہ سب لوگ جمع ہو جائیں۔

''جھوٹ! واہ! کیا کہنے آپ کے؟ میں غلطی سے بھی چوری نہ کروں اور تمہارے روپے کیوں رکھوں گا میں''

''اچھا تو ٹھیک ہے پھر اپنا ہاتھ دکھاؤ!'' رحمت نے پریقین انداز میں کہا۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا تھا جب گلاب نے غلطی سے زیادہ روپے ہاتھ سے لیے تھے۔

''کیوں میں کوئی چور تھوڑی نہ ہوں؟ میں نہیں دکھاؤں گا'' گلاب نے جواب دیا۔

''ارے دکھانے میں کیا حرج ہے۔ ہمیں تسلی ہو جائے گی۔'' پاس کھڑے آدمی نے پیار سے کہا۔

''یہ دیکھو! لیکن ہتھیلی پر دس روپے اضافی دیکھ کر گلاب حیران رہ گیا۔ پھر اپنی حیرانی پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''نہیں نہیں۔ یہ میرے اپنے ہیں۔''

یہ جھوٹ صرف اس لیے بولا کہ اسے چور نہ سمجھ لیں۔'' اب کیا کریں؟ بہت ساری آوازیں ایک ساتھ کو آئیں۔

''میرے دس روپے پر نشانی ہے۔'' استاد رحمت کو اچانک یاد آیا کہ بچوں کو پڑھاتے وقت انہوں نے بے دھیانی میں اوپر پاک لکھ دیا تھا۔ اُس کے اوپر ایسے لفظ لکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہاتھ پر جلدی سے لکھ کر دکھائے۔

''دیکھو! جلدی سے۔''

''ہاں یہ تو استاد جی کے ہیں۔''

دس روپے دیکھ کر جواب ملا۔

''تم نے چوری کی ہے اور اسلام کے مطابق تمہارا ہاتھ کاٹیں گے'' رحمت کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے ایک شخص نے کہا۔

جب گلاب نے یہ سنا تو بھاگنے لگا لیکن ہجوم سے بچ کر نہ جا سکا۔ چاقو نکال کر گلاب نے لوگوں پر وار کیا لیکن لوگ زیادہ تھے انہوں نے اُسے پکڑ لیا۔ جب ریل گاڑی رُکی تو اُسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

اُستاد رحمت مسکرا رہے تھے اور دس روپے کے نوٹ کے اوپر سے پڑھ رہے تھے ''پاک'' پاک یعنی ہمارا پاکستان۔

☆......☆......☆



"پارک"

حمیرا علی

قسط اول

"پاپا! آپ نے نئے پارک لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔اب تو چھٹیاں ہوئے بھی کئی دن گزر گئے مگر آپ ہمیں پارک نہیں لے کر گئے۔کب لے کر جائیں گے ہمیں پارک؟"

ناشتے کی میز پر جگنو نے وہی سوال کیا جو وہ پچھلے کئی دن سے کر رہا تھا۔

"لے جاؤں گا جب فرصت ہوگی۔آج کل آفس میں بہت کام ہے۔"

فرقان صاحب نے پیشانی پر بل ڈال کر دو ٹوک جواب دیا۔جگنو کا چہرہ بجھ گیا۔

"پاپا!مگر ہماری چھٹیاں ختم ہوجائیں گی۔"

اس نے منہ بنایا۔

"جگنو! جب پاپا کہہ رہے ہیں کہ لے جائیں گے تو آپ کیوں ضد کر رہے ہیں؟"

رقیہ نے سختی سے کہا وہ چپ ہوگیا۔

والد کے جانے کے بعد اس نے پھر ضد کرنی شروع کردی۔

"جگنو! مجھے تنگ مت کرو!"

"مما! میں زوبی اور نومی کے ساتھ چلا جاؤں گا۔" رقیہ نے پلٹ کر اسے گھورا۔

"خبردار جو کبھی کہیں اکیلے گئے۔ابھی چھوٹے ہو تم لوگ گم ہو جاؤ گے۔"

انہیں نے سختی سے منع کیا۔

"اتنے بھی چھوٹے نہیں تھری کلاس میں ہیں ہم اور ہمیں گھر کا راستہ بھی معلوم ہے۔"

اس نے سینہ تان کر بتایا۔

"کچھ نہیں معلوم آپ سب بہت چھوٹے ہو۔کوئی اغوا کر کے لے گیا تو ہم کہاں سے ڈھونڈیں گے۔کبھی اکیلے کہیں جانے کا سوچنا بھی مت۔جب پاپا کے پاس وقت ہوگا وہ خود لے جائیں۔"

وہ ان باتوں سے کہاں ڈرتا تھا۔اس نے سر جھٹکا۔

"پاپا کے پاس تو کبھی وقت نہیں ہوتا آپ بھی گھر کے کام کرتی رہتی ہیں۔ بہادر بھائی کرکٹ کھیلنے چلے جاتے ہیں اور میں بور ہوتا رہتا ہوں۔"

اس کے پاس شکایتوں کی لسٹ تھی۔

"جگنو! کام کرنے دو مجھے ابھی بارہ بجتے ہی تم سب بھوک کا شور شروع کردو گے۔تمہاری چھوٹی بہنیں بھی جاگ جائیں گی۔جاؤ جا کر ویڈیو گیم کھیل لو!"

رقیہ کے جھڑکنے پر وہ پاؤں پٹختا ہوا پڑوس میں اپنے دوستوں کے پاس آگیا۔اسکول کی چھٹیوں کے باوجود وہ تینوں کہیں گھومنے نہیں جا سکے تھے سب بڑوں کی اپنی اپنی مصروفیات تھیں۔ پاپا کا آفس کا کام تھا۔مما گھر میں مصروف تھیں۔بھائی اپنے دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے چلے جاتے تھے۔ ان شرارتی بچوں کو بڑوں سے بہت شکایتیں تھیں۔گرمیوں کی چھٹیاں بور جو گزر رہی تھیں۔وہ تینوں سر جوڑے اس بوریت کو دور کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔آخرکار زوبی نے کرکٹ کھیلنے کے لیے قریبی میدان جانے کا پروگرام بنایا۔جو زوبی اور نومی نے رد کردیا۔

"یہاں کسی کے پاس ہمارے لیے وقت نہیں ہے۔اب ہم خود پارک گھومنے جائیں گے۔"

زوبی نے فیصلہ سنایا جو زرا سے رد وکد کے بعد نومی اور جگنو نے بھی قبول کرلیا۔

"مگر ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں۔وہاں جھولے بھی ہوں گے اور کھانے پینے کے اسٹال بھی۔"

نومی نے اس طرف توجہ دلائی۔

"اس کا انتظام جگنو کرے گا۔"

"میں"

جگنو نے حیران ہوکر زوبی کو دیکھا۔

"ہاں تم۔رقیہ آنٹی کا پرس ہمیشہ پیسوں سے بھرا رہتا ہے ہزار پانچ سو نکالنے سے کیا فرق پڑے گا۔"

جگنو کچھ تذبذب کا شکار ہوا لیکن زوبی اور نومی کے اصرار کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔یہ کام واقعی مشکل نہ تھا۔ایک بجے کے قریب اس نے دوپہر کا کھانا کھایا جونہی رقیہ زرا آرام کر کے فارغ ہوئیں دونوں چھوٹی بیٹیوں کو سلانے کے لیے کمرے میں لے گئیں وہ دونوں جڑواں تھیں اور صرف چار ماہ کی تھیں۔جگنو نے کچھ دیر انتظار کیا اور جب یقین ہوگیا کہ رقیہ سوگئی ہوں گی۔ان کے پرس سے ہزار روپے کا نوٹ نکال کر اپنی جینز کی جیب میں رکھ لیا اور تیزی سے گھر سے باہر آگیا جہاں نومی اور زوبی اس کے منتظر تھے۔

"یار! گھومنے جانے تک تو ٹھیک ہے مگر پیسے چوری کرنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔"

جگنو کے دل میں احساس ندامت سر اٹھانے لگا۔

"کچھ نہیں ہوتا مما پاپا ہمیں پاکٹ منی بھی تو دیتے ہیں۔"

زوبی خود یہ حرکت کرنے کا عادی تھا۔اس کے لیے پوچھے بغیر پیسے لینا معمول کی بات تھی ایک بار اس کی والدہ نے اسے اپنے پرس میں سے پیسے نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔انہوں نے اسے سخت الفاظ میں تنبیہہ کی اور پھر اس کی والدہ اپنے پیسے لاکر میں رکھنے لگی تھیں۔مگر زوبی بالکل بھی شرمندہ نہیں ہوتا تھا۔وہ تینوں پارک پیدل ہی جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔گرمیوں کی طویل دوپہر تھی۔زوبی اور مانی بھی گھر والوں سے چھپ کر آئے تھے۔

زوبی اور نومی کزنز تھے جبکہ جگنو دوست ہونے کے علاوہ ان کا پڑوسی بھی تھا لہذا ان تینوں کو اسکول لانے لے جانے کی ذمہ داری جگنو کے بڑے بھائی بہادر کی تھی جو نویں جماعت کا طالب علم تھا جبکہ وہ تینوں تیسری جماعت میں پڑھتے تھے۔بلا کے شرارتی اور گھومنے کے شوقین تھے۔ تینوں نے اسی پارک جانے کا فیصلہ کیا تھا جو ان کے اسکول کے راستے میں تھا۔پارک تھا تو بہت پرانا مگر کئی سالوں سے بند تھا۔کچھ دن پہلے دوبارہ کھولا گیا تھا۔نئے پودے اور جھولے لگائے تھے۔مرمت کا کام بھی کیا گیا تھا۔پارک کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں تھیں اور ایک لوہے کا بڑا اور مضبوط دروازہ تھا۔جہاں عام طور پر چوکیدار کھڑا نظر آتا تھا۔وہ لوگ جلد ہی پارک کے دروازے پر پہنچ گئے۔

"واؤ یار! یہ تو بالکل اصلی لگتا ہے۔"

پارک کے باہر پتھر کا ایک طویل قامت مجسمہ نصب تھا جو کسی ماہر سنگ تراش کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

"یہ تو بہت خوف ناک ہے۔اس کے ہاتھ دیکھو کتنے بڑے بڑے ہیں۔"

جگنو کو وہ مجسمہ پسند نہیں آیا۔

"ارے یہ کیا پارک کا گیٹ تو بند ہے؟"

نومی کی آواز پر زوبی اور جگنو چونکے۔

ان تینوں کو سخت مایوسی ہوئی۔جگنو نے لوہے کے بڑے سے دروازے پر بھاری بھرکم تالا دیکھ کر منہ بنایا۔

"اب یاد آیا بہادر بھائی نے بتایا تھا پارک شام چار بجے کھلتا ہے۔اسی لیے وہ ہمیں اس دن اسکول سے آتے ہوئے پارک نہیں لے گئے تھے۔"نومی اور زوبی نے اسے خفگی سے دیکھا۔

"پہلے نہیں بتا سکتے تھے؟"

نومی نے قریب سے ایک پتھر اٹھایا اور تالا توڑنے لگا۔مگر یہ اس کے بس کی بات نہ تھی۔

"پاگل ہو گئے ہو کسی نے دیکھ لیا تو بہت مار پڑے گی۔چلو واپس گھر چلتے ہیں۔"

جگنو فطرتاً سمجھدار تھا لیکن وہ نومی اور زوبی کی باتوں میں آجاتا تھا۔ اب بھی نومی اور زوبی کسی طرح اندر جانے کا راستہ ڈھونڈ رہے تھے۔ انہوں نے جگنو کی بات پر توجہ نہ دی۔

"بچوں یہاں کیا کر رہے ہو؟"

اچانک اس آواز پر وہ تینوں ڈر کر اچھل گئے۔ پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک عجیب سا شخص تھا۔ کپڑے جیسے پلاسٹک کے پہن رکھے تھے۔ چہرے پر ماسک لگایا ہوا تھا۔ سر پر بال بھی نہیں تھے۔ شاید اس لیے وہ ان لوگوں کو عجیب لگا۔

"کک کچھ نہیں۔"

نومی نے جلدی سے پتھر پھینک دیا۔

"انکل! آپ کون ہیں۔"

زوبی نے اس کے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا دیکھ کر پوچھا۔

"میں یہاں رہتا ہوں۔"

وہ تالا کھولنے لگا۔

ان تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا آپ یہاں چوکیدار ہیں؟"

"ہاں۔"

اس نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"کیا خیال ہے؟ اندر جانے کی بات کریں۔"

زوبی جگنو اور نومی کے قریب ہو کر منمنایا۔

"ہاں مگر۔"

جگنو کشمکش کا شکار تھا اندر جائے یا نہیں۔ کسی اجنبی کا کیا بھروسہ۔ مگر زوبی نے اس کی بات مکمل سنی ہی نہیں۔

"انکل! کیا آپ ہمیں پارک کے اندر کھیلنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ ہم کچھ دیر کھیلیں گے پھر گھر چلے جائیں گے۔"

زوبی کی تائید باقی دونوں نے سر ہلا کر کی۔

"کیوں نہیں آو میرے ساتھ۔"

وہ شخص بڑے سے گیٹ میں لگا چھوٹا دروازہ کھول کر اندر بڑھ گیا۔ ان تینوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ تینوں ایک دوسرے کے پیچھے پارک کے اندر داخل ہو گئے۔ ایک فینٹسی دنیا۔ ایک انوکھا پارک۔ جس کی بہت شہرت سنی تھی مگر آج اس پارک کو دیکھنے کی یہ خواہش انہیں بہت مہنگی پڑنے والی تھی۔

تالا کھلتے ہی وہ تینوں رکتے جھجکتے پارک کے اندر چلے آئے۔ اس وقت تینوں میں ہی پہلے جیسا جوش اور جذبہ مفقود تھا۔ پارک کے اندر چہارسو ویرانی کا عالم تھا۔ شام میں یقیناً یہاں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں ہوتی ہوگی مگر اب جھولے ویران تھے۔ سرسبز قطعہ ارضی سنسان تھا۔

وہ تینوں ارد گرد کا جائزہ لے رہے تھے اچانک کھٹکے کی آواز پر چونکے۔

"وہ شخص دروازے پر تالا لگا رہا تھا۔

"انکل! آپ تالا کیوں لگا رہے ہیں؟"

جگنو گھبرایا۔

"تاکہ تم لوگ باہر نہ جا سکو۔"

وہ شخص بول کر ہنسنے لگا۔تینوں کا رنگ پیلا پڑ گیا۔زوبی نے بھاگ کر اس سے چابی جھپٹنا چاہی مگر اس نے زوبی کو زور دار دھکا دیا وہ بے چارا زمین پر جا گرا۔رگڑ لگنے سے گھٹنے بازو سب چھل گئے۔جگنو اور نومی کی چیخ نکل گئی۔اس شخص نے کسی جادوگر کی طرح چابی پلک جھپکتے ہوئے ان کی نظروں کے سامنے ہی غائب کر دی۔

"اب میری مرضی کے بغیر تم لوگ کہیں نہیں جا سکتے۔چلو جاؤ تم لوگ پارک کو دیکھو۔گھومو پھرو جھولے جھولو۔شام سے پہلے تمہیں جانا بھی ہے ابھی تو دو بج رہے ہیں۔"

اس شخص نے فوراً لہجہ بدل کر انہیں وقت کا احساس دلایا۔وہ لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا؟"

اس نے پوچھا۔تینوں کا ارادہ بدل چکا تھا۔وہ ڈر بھی رہے تھے۔عجیب سا پتلا دبلا مگر مضبوط نظر آنے والا لمبے قد کا شخص جس کا چہرہ چھپا ہوا تھا انہیں شاید نہیں یقیناً اغوا کر لیا تھا۔

"آپ دروازہ کھول دیں ہم واپس جائیں گے۔" جگنو سہی معنوں میں ڈر گیا تھا۔

"اب تو دروازہ اپنے وقت پر ہی کھلے گا۔"

اس نے جگنو کا ہاتھ پکڑا اور زبردستی جھولوں کی طرف لے جانے لگا۔

"نہیں جھولنے مجھے جھولے۔پلیز ہمیں جانے دو!" جگنو ڈر کر چیخا۔نومی اور زوبی بھی خوفزدہ ہو کر اسے چھڑانے کی کوشش کرنے لگے۔

"اب تو تم تینوں ضرور جھولا جھولو گے۔اس نے جگنو کو اٹھایا اپنے لمبے لمبے ہاتھوں سے گول گھومنے والے جھولے میں پٹخا اور جھولا چلانے لگا۔

"چھوڑو اسے پاگل انسان۔"

نومی اور زوبی اس لمبے چوڑے شخص کو روکنے کے لیے اس کے پیروں سے لپٹ گئے۔اس وقت تو وہ پہاڑ جیسا دکھائی دے رہا تھا انہیں۔وہ اسے روکنے کی کوشش میں نڈھال ہو رہے تھے۔اس نے ان دونوں کو بھی اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر جھولے میں پٹخ دیا۔جھولا یکدم تیز تیز گھومنے لگا۔جھولا اوپر کی طرف جاتا تو تینوں کی چیخیں بلند ہو جاتی کیونکہ جھولا بہت تیزی سے گھوم رہا تھا۔عام حالات میں تو تینوں اور تیز اور تیز کا شور مچاتے تھے مگر آج ان کی جان نکلنے کے دم پر تھی۔

وہ شخص جھولا چلتا چھوڑ کر قریب موجود اسٹال کی طرف چلا گیا وہ کھانے پینے کی چیزوں کا اسٹال تھا۔چاٹ دہی بڑے،فرنچ فرائز اور جوس وہاں ہر چیز موجود تھی۔

"نومی! ہم یہاں پھنس گئے ہیں۔ہم یہاں سے کیسے نکلیں؟ زوبی نے آواز لگائی۔"

جگنو تو بالکل رونے والا تھا۔

(باقی آئندہ)



سعدیہ نور العین

یہ کفر کے لشکر کچھ بھی نہیں!

"بھائی! ذرا یہاں سائیڈ پہ گاڑی روکنا" فرح نے گاڑی والے کو آواز لگائی اور جلدی جلدی دونوں سہلیاں گاڑی سے نیچے اتر کر الٹرا ساؤنڈ سینٹر کی طرف بھاگیں۔ انہیں بہت دیر ہوگئی تھی اور سر عاصم کا غصہ میں لال ہوتا چہرہ آنکھوں کے گرد گھوم رہا تھا جلدی جلدی دونوں سینٹر پہنچیں لیکن یہ کیا؟؟

سینٹر تو اندر سے بالکل تبدیل کوئی امریکن کلینک لگ رہا تھا، زہرہ نے فرح کو چٹکی کاٹی اور پوچھا:

فرح یہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہے نا ہم؟

سر فیضان کی ٹیبل بڑے اسٹائلش انداز میں رکھی ہوئی، دیوار میں نصب LED پر امن والوں کی کلپس چل رہی تھیں۔ صحت اپنانا سکھی گھرانہ کے نعروں والی۔

سر بھی تھری پیس میں ملبوس تھے لیکن ابھی تک مس حنا نہیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ دونوں ابھی یہی سوچ رہی تھیں کہ سر کی نظر دونوں پر پڑی تو فوراً بول اٹھے۔

"فرح! زہرہ! آپ دونوں آگئے؟ آج آپ کو پتہ ہے؟ امریکہ سے ٹیم آ رہی ہے ہمارے انسٹیٹیوٹ میں بہت جتن کر کے بلایا ہے۔ آپ لوگ جلدی سے آڈیٹوریم میں جائیں وہ لوگ بس آنے ہی والے ہیں۔"

فرح اور زہرہ جو ابھی تک اس ماحول کو دماغ میں ایڈجسٹ کر رہی تھیں جلدی سے ہوش

کی دنیا میں واپس آئیں اور حیرت و تجسس کی ملی جلی کیفیت میں آڈیٹوریم کی طرف چل پڑیں۔

گیٹ سے اندر جاتے ہی انہیں اپنی کلاس فیلوز نظر آگئیں جو اسی طرف جارہی تھیں کہ زہرہ کی ایک دم چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی اور جلدی سے فرح کا ہاتھ پکڑ کر بولی:

"فرح! وہ دیکھو سامنے چڑیل جیسی عورت میں تو اسے ایک دم دیکھ کر ڈر گئی تھی۔"

فرح نے اُس طرف دیکھا تو پینٹ شرٹ میں ملبوس بکھرے بالوں والی ایک خاتون اسٹیج پہ کھڑی مس حناء سے بات کررہی تھی اور یہ کیا اب کی باری فرح چلائی کیونکہ مس حناء بھی آج پینٹ شرٹ میں ملبوس امریکن بنی ہوئی تھیں۔ دونوں ایک دم کہہ اٹھیں۔

"یا اللہ! ہم مسلمانوں پر رحم کر! ہم کن کی پیروی کررہے ہیں؟"

پہلی رو میں انسٹیٹیوٹ کی طالبات کی جگہ تھی۔ یہ دونوں بھی سب سے مصافحہ کر کے وہاں بیٹھ گئیں۔ زہرہ ایک دم سے حیران ہو کر بولی۔

"حمیرا، نبیلہ تم دونوں نے آج نقاب نہیں اتارا؟" "نہیں یار اب ہم نے سوچا ہے کہ ہم بھی نقاب کر کے سینٹر میں بیٹھا کریں گے"

"اچھا! ماشاء اللہ" زہرہ نے مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔ ابھی یہ باتیں چل رہی تھیں کہ مس حنا آ پہنچی۔ "ہیلو گائز! کیسے ہیں آپ سب لوگ؟"

"ہم ٹھیک ہیں" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"دیکھو! یہ آپ لوگوں کا سینٹر ہے۔ اس کی عزت کا آپ کو خیال رکھنا ہے۔ آج جو مہمان امریکہ سے آرہے ہیں وہ اچھا تاثر لے کر جائیں۔ اس سے ہمارے انسٹیٹیوٹ کی ویلیو میں اضافہ ہوگا اور وہ خوش ہو کر ہمارے سینٹر کیلئے لازمی کچھ کریں گے۔ آپ سب سمجھ رہے ہیں ناں؟ اور یہ کیا؟ یہ سب اپنے نقاب ہٹاؤ اور یہ تم دونوں نے کب سے پردہ شروع کر دیا؟" مس حنا حمیرا اور نبیلہ کو دیکھ کر بولیں وہ دونوں خاموش ہوگئیں اور منہ جھکا لیا۔

"آپ لوگوں سے کتنی دفعہ کہا ہے کہ دنیا بہت آگے جارہی ہے۔ اگر یہی حرکتیں رہیں تو ترقی تمہارے نصیب سے دور ہو جائے گی۔ چلو! جلدی سے یہ نقاب ہٹاؤ اور آج تم دونوں بھی ہٹاؤ گی" وہ زہرہ اور فرح کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں تو زہرہ ایک دم بول اٹھی۔

"مس! آپ کو پتہ ہے کہ میں شرعی پردہ کرتی ہوں اپنے رشتے داروں سے پردہ کرتی ہوں تو یہاں کیسے ہٹا سکتی ہوں؟"

"اچھا لیکن میں نے آپ کو کہا تھا کہ یہ مدرسے والا حجاب مت لگانا تم ان سب میں عجوبہ لگو گی۔ ابھی یہی باتیں چل رہی تھیں کہ ایک لڑکا بھاگتا ہوا آیا۔

''مس! سر کہہ رہے ہیں امریکہ سے ٹیم آگئی۔''
مس حناء ایک دم ہڑبڑا گئیں اور بولیں۔
''آپ لوگ جلدی سے اٹھو اور وہ پھول کی پتیاں پلیٹ میں رکھی ہیں لے آؤ! مہمانوں پر ڈالنی ہیں۔ آپ لوگوں نے''
'' کیا؟؟؟'' چاروں ایک ساتھ بولیں، مس حناء ایک دم غصے میں چلائیں۔
''یہ بحث کا ٹائم نہیں۔ جلدی کرو!''
حمیرا اور نبیلہ کو تو زہرہ نے بٹھا دیا کہ وہ نامحرم کافر مرد، مسلمانوں کے دشمن اور گندی غلیظ کافر عورتیں کوئی ضرورت نہیں جانے کی دونوں اپنی دوست کی بات سن کر بیٹھ گئیں اور باقی سب وہاں سے چل پڑے۔
بڑی شان و شوکت سے انٹری کروائی گئی ایک گوری میم نے ربن کاٹا پھر سب نے پھول پھینکے تالیوں کی گونج سے آڈیٹوریم گونج اٹھا۔ یہ سب منظر دیکھ کر زہرہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ وہ آڈیٹوریم کی کھڑکی سے نظر آتے آسمان کو دیکھ کر بولی کہ یہ آسمان بھی انسان کی سنگدلی پر کتنا حیران ہوتا ہوگا کہ ایک طرف یہ اسلام دشمن لوگ مسلمانوں پر بارود کی بارش کر رہے ہیں، مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنائے ہوئے ہیں اور اُن سے کچھ فاصلے پر یہ مسلمان اُن پر پھولوں کی بارش کر رہے ہیں اُن کی آؤ بھگت میں اپنے لیے جہنم کی آگ تیار کر رہے ہیں۔
وہ مسلمان جن کے بارے میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک جسم کی مانند ہیں جس کے ایک حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم اُس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ کیا آج مسلمان اتنا بے حس ہو چکا ہے کہ اُس کے اندر کی تکلیف اُسے محسوس نہیں ہوتی۔
ہاں اُس نے میڈیکل کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جب جسم کا کوئی ناسور بہت تک سرائیت کر جائے تو وہ احساس کے Cell کو ناکارہ بنا دیتا ہے، جس سے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔
ابھی وہ انہیں خیالات میں کھوئی ہوئی تھی کہ فرح نے اُسے ہلایا اور کان کے قریب آ کر کہنے لگی۔
''زہرہ! دیکھو مس حناء کا چہرہ کچھ لٹکا ہوا محسوس ہوتا ہے۔''
اب جب زہرہ نے غور سے ماحول کا جائزہ لیا تو واقع ایسا تھا۔
مس حناء اُن کے آگے پیچھے اُن کی آؤ بھگت میں بچھی جا رہی تھیں۔ اس پوری ٹیم میں دو گوری میم تھیں۔ ایک ٹکلا اور ایک گورا جس کے گلے میں کیمرا لٹک رہا تھا بالکل اسی طرح جیسے چھوٹے بچے کے گلے میں سیب اور غالباً یہی ان کا ترجمان بھی تھا کیونکہ سر اسی سے باتوں میں لگے ہوئے تھے اور دو باڈی گارڈ بھی تھے ان ٹڈی دل

کافروں کے ساتھ۔

زہرہ کی سب کلاس فیلوز اُن امریکی میم سے مصافحہ کر رہی تھیں کہ اچانک ایک میم کی نظر زہرہ پر پڑی اور کئی رنگ چہرے پہ سے ہو کر گزر گئے ...ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور ساتھ والی سے کچھ کہنے لگی اور دونوں اپنی ٹیم کی طرف لیے، کچھ باتیں ٹیم میں ہوئیں پھر ترجمان نے سر عاصم کو بلایا اور نہ جانے کیا کہا اس نے کافی بات چیت کی لیکن کوئی صورت نہ نکلی اور تھوڑی دیر میں وہ چلتے بنے، سب حیران تھے کہ اچانک کیا ہوا؟

زہرہ خود بھی حیران تھی کہ آخر کیا ہوا؟ خیر جو بھی ہوا اچھا ہوا اُس نے سوچا اُن سب کو چھٹی مل گئی اور کوئی بات پتہ نہ چلی۔

اگلے روز جب زہرہ اور فرح سینٹر پہنچے تو سب باتوں میں مصروف تھے ۔مس حناء نارمل لگ رہی تھیں۔ بات چیت کا موضوع پروگرام ہی تھا۔ ان دونوں نے پہنچ کر بھی بات چیت میں حصہ لیا کہ پتہ چلے آخر کل ہوا کیا تھا؟

مس حناء آخر سب سے مخاطب ہوئیں اور کہنے لگیں ۔"اب میں آپ کو وہ بات بتاتی ہوں جس کی وجہ سے ہم فرح اور زہرہ کا انتظار کر رہے تھے۔"

انہوں نے کہا، جی کہیے! تو کہنے لگیں۔

"پتہ ہے کل وہ لوگ زہرہ کی وجہ سے گئے"

"وہ کیسے؟" سب نے کہا۔

"وہ اس کے حجاب سے ڈر گئے تھے۔"

فرح ایک دم بولی، واقعی؟

زہرہ خود بھی حیران تھی کہ حجاب سے؟ لیکن وہ کیسے؟" کیوں مس! انہوں نے کچھ کہا حجاب کا؟" زہرہ نے پوچھا۔

"نہیں انہوں نے یہ تو نہیں کہا لیکن وہ سیکورٹی کے حوالے سے کہہ رہے تھے کہ آپ لوگوں نے صحیح انتظام نہیں کیا ہوا اور زہرہ کو دیکھنے کے بعد ہی ان کا موڈ تبدیل ہو گیا تھا اور جو تم سب بھی نقاب لگائے بیٹھیں تھیں اُن لوگوں کو یہ بہت ناگوار گزرا"

زہر سوچنے لگی.. ہاں! وہ تو مسلمان عورتوں کے پردے سے اور مردوں کی داڑھی سے ڈرتے ہیں جبھی تو ختم کروانا چاہتے ہیں۔

مسلمان عورت کا پردہ آزادی کے نام پر اور مسلمان مرد کی داڑھی دہشتگردی کے نام پر۔ کافر یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں ورنہ ہماری خیر نہیں اور ہم مسلمانوں پر کبھی حکمرانی نہیں کر سکیں گے۔

داڑھی اور پردہ ٹارگٹ اس لیے کہ وہ ایمان والوں کا کام ہے اور جس میں ایمان ہو گا وہ جہاد کو بھی سمجھے گا پھر تو یہ مسلمان ہمیں بے غیرتیاں نہیں کرنے دیں گے۔ اس لیے وہ سازش کر کے اسی کو ختم کرانا چاہتے ہیں۔

مگر شکر اللہ کا کہ جب تک مدارس، مساجد،

علماء، مجاہدین اس دنیا میں ہیں اللہ کے فضل و کرم سے انہیں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

زہرہ مس حناء سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"مس! یہ انگریز اتنے بزدل ہیں ایک لڑکی سے ڈر گئے جس کے پاس نہ اسلحہ اور نہ ہی کوئی خود کش جیکٹ پہنا ہوا تھا جس کو دیکھ کر وہ لوگ ڈر گئے ہوں۔

مس! ایسے لوگوں کے پیچھے بھاگ کر آخر کیا ملے گا؟" مس بھی کچھ سمجھ چکی تھیں لیکن خاموش تھیں، پھر کہنے لگیں۔

"بیٹا! یہ لوگ انٹرنیشنل ہیں۔ ہمیں ان کی اصلیت معلوم ہے لیکن ان کے بغیر ہم ترقی نہیں کر سکتے۔ وہ ایک دم کہنے لگی۔

"مس! ترقی ہم اللہ کے دین پر عمل کر کے کر سکتے ہیں۔"

کلاس میں یک دم خاموشی سی چھا گئی۔ شاید وہ سب کچھ سوچنے پر مجبور ہوئے تھے۔

اللہ ہم سب مسلمانوں پر رحم کرے اور ہماری آنکھوں اور دل سے غفلت کے پردے ہٹا کر ایمان کا نور اور روشنی نصیب فرمائے۔ آمین

بے اختیار زہرہ کے دل سے یہ اشعار نکلے:

یہ عظمت باطل دھوکا ہے
یہ سطوت کافر کچھ بھی نہیں
مٹی کے کھلونے ہیں سارے
یہ کفر کے لشکر کچھ بھی نہیں

☆......☆......☆

لکھاری حضرات متوجہ ہوں

مسلمان بچے کا نیا موبائل نمبر 0341.1642454 جو تحریریں بھیجنے کے لیے مختص تھا وہ نمبر بھی غیر معینہ مدت کے لیے بند ہو گیا ہے۔ فی الحال واٹس ایپ کی سہولت مؤخر کی جا رہی ہے۔

جلد ہی انشاء اللہ نئی ترتیب کے ساتھ تحریریں بھیجنے کے لیے واٹس ایپ سروس بحال کر دی جائے گی۔

فی الحال ای میل کے ذریعے اپنی تحریریں بھیجیں۔

musalmanbachay@gmail.com

شکریہ
ادارہ

تین سچے اور پکے محبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داستان
جن کی سچائی بیان کرنے کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔

سچے جانباز



تبیشہ عدنان

حضرت کعبؓ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکنے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر کے سوا اور کسی غزوہ میں ایسا نہیں ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں۔

البتہ میں غزوہ تبوک میں بھی شریک نہ ہوا تھا لیکن جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے ان کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا، کیونکہ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے قافلہ کی تلاش میں نکلے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی سابقہ تیاری کے بغیر آپ کا دشمنوں سے مقابلہ ہو گیا۔

اور میں لیلۃ العقبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، یہ وہی رات ہے جس میں ہم نے اسلام کیلئے عہد کیا تھا اور مجھے تو یہ غزوہ بدر سے بھی زیادہ عزیز ہے، اگرچہ لوگوں کی زبانوں پر بدر کا چرچا بہت ہے۔

میرا واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا قوی اور اتنا مالدار نہیں ہوا تھا جتنا اس موقع پر جب کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تبوک کے غزوہ میں شریک نہ ہو سکا تھا۔

خدا جانتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی میرے پاس دو اونٹ نہیں جمع ہوئے تھے، لیکن اس موقع پر میرے پاس دو اونٹ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی کسی غزوہ کیلئے تشریف لے جاتے تو آپ

ﷺ اس کیلئے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے تھے (تاکہ معاملہ راز میں رہے) لیکن اس غزوہ کا جب موقع آیا تو گرمی شدید تھی۔ سفر بھی بہت طویل تھا۔ بیابانی راستہ اور دشمن کی فوج کی کثرت تمام مشکلات سامنے تھیں۔ اس لیئے حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اس غزوہ سے متعلق صراحت کیساتھ بتادیا تھا کہ اس کے مطابق تیاری کریں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اس سمت کی بھی نشاندہی کردی جدھر سے آپ ﷺ کا جانے کا ارادہ تھا۔ مسلمان بھی آپ ﷺ کیساتھ بہت تھے اتنے کہ کسی رجسٹر میں سب کے ناموں کا اندراج بھی مشکل تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کوئی بھی شخص اگر اس غزوہ میں شریک نہ ہونا چاہتا تو وہ یہ خیال کرسکتا تھا کہ اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا (لشکر زیادہ ہونے کی بناء پر) یہاں تک کہ اس کے متعلق وحی نازل ہوئی۔

حضور اقدس ﷺ جب اس غزوہ کیلئے تشریف لے جارہے تھے تو پھل پکنے کا زمانہ تھا اور سایہ میں بیٹھ کر لوگ لطف اندوز ہوتے تھے۔ حضور ﷺ بھی تیاریوں میں مصروف تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمان بھی لیکن میں روزانہ یہ سوچتا کہ کل سے میں بھی تیاری کرلوں گا۔ مجھے اسباب میسر ہیں۔

یوں ہی وقت گزرتا گیا، آخر لوگوں نے اپنی تیاریاں مکمل بھی کرلیں اور حضور اقدس ﷺ مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو گئے، اس وقت تک میں نے کوئی تیاری نہیں کی تھی، اس موقع پر بھی میں نے اپنے دل کو یہی کہہ کر سمجھا لیا کہ کل یا پرسوں تک تیاری کرلوں گا اور پھر لشکر سے جاملوں گا۔

کوچ کے بعد دوسرے دن میں نے تیاری کیلئے سوچا لیکن اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی، پھر تیسرے دن کیلئے سوچا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی، یوں وقت گزرتا گیا اور لشکر بہت آگے بڑھ گیا۔ غزوہ میں شرکت میرے لئے دور کی بات ہوگئی اور یہی ارادہ کرتا رہا کہ یہاں سے چل کر انہیں پالوں گا۔ کاش! میں نے ایسا کرلیا ہوتا لیکن یہ میرے مقدر میں نہ تھا۔

حضور اکرم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں باہر نکلتا تو مجھے بڑا رنج ہوتا کیونکہ یا تو وہ لوگ نظر آتے جن کے چہروں سے نفاق ٹپکتا تھا یا پھر وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور یا ضعیف قرار دیدیا تھا، حضور اقدس ﷺ نے میرے متعلق کسی سے نہیں پوچھا تھا لیکن جب آپ ﷺ تبوک پہنچ گئے تو وہیں ایک مجلس میں آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ:

کعب نے کیا کیا؟

بنوسلمہ کے ایک صاحب نے کہا:

"یارسول اللہ ﷺ اسکے غرور تکبر نے اس کو آنے نہ دیا۔"

اس پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بولے:

''تم نے بڑی بات کہی۔ یارسول اللہ ﷺ خدا گواہ ہے ہمیں ان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ معلوم نہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ واپس تشریف لارہے ہیں تو مجھے پر فکر و تردوسوار ہوا، میرا ذہن کوئی ایسا جھوٹا بہانہ تلاش کرنے لگا۔ جس سے میں حضور ﷺ کی ناراضگی سے بچ سکوں، اپنے گھر کے ہر ذی رائے سے اس کے متعلق میں نے مشورہ لیا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ مدینہ کے بالکل قریب آچکے ہیں تو باطل خیالات میرے ذہن سے چھٹ گئے اور مجھے یقین ہوگیا کہ اس معاملہ میں جھوٹ بول کر میں اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔''

اس پر معاذ بن جبل بولے:

جھوٹ آپ کو بچا نہیں سکتا۔

چنانچہ میں نے سچی بات کہنے کا پختہ ارادہ کر لیا، صبح کے وقت آنحضور ﷺ تشریف لائے، جب آپ ﷺ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو یہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، پھر لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھتے۔ جب آپ ﷺ فارغ ہو چکے تو آپ ﷺ کی خدمت میں وہ لوگ آئے جو غزوہ میں شریک نہیں ہوسکے تھے اور قسم کھا کھا کر اپنے عذر کو بیان کرنے لگے، ایسے لوگوں کی تعداد تقریباً ۸۰ تھی۔ حضور انور ﷺ نے ان کے ظاہر کو قبول کیا، ان سے عہد و پیمان لیا، ان کیلئے مغفرت کی دعا کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کیا۔

اس کے بعد میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ مسکرائے، آپ ﷺ کی مسکراہٹ میں تلخی تھی، پھر فرمایا آؤ، میں چند قدم چل کر آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ:

تم غزوہ میں شریک کیوں نہ ہوئے، کیا تم نے کوئی سواری نہیں خریدی تھی؟

میں نے عرض کیا:

''میرے پاس سواری موجود تھی۔ خدا گواہ ہے کہ اگر میں آپ ﷺ کے سوا کسی دنیادار شخص کے سامنے آج بیٹھا ہوا ہوتا تو کوئی عذر گھڑ کر اس کی ناراضگی سے بچ سکتا تھا۔ مجھے خوبصورتی وصفائی کے ساتھ گفتگو کا سلیقہ حاصل ہے۔ لیکن خدا گواہ ہے مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ ﷺ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر بیان کر کے آپ ﷺ کو راضی کر لوں تو بہت جلد اللہ آپ کے کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اس کے بجائے اگر میں آپ سے سچ بات بیان کر دوں تو یقیناً آنحضور ﷺ کہنے کو میری طرف سے کبیدگی ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ سے مجھے عفو و درگزر کی پوری اُمید ہے۔

خدا گواہ ہے کہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا، خدا گواہ

ہے، اس وقت سے پہلے کبھی میں اتنا قوی اور مالدار نہیں تھا اور پھر بھی میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوسکا۔"

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

انہوں نے سچی بات بتادی ہے، اچھا اب جاؤ! یہاں تک اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں خود کوئی فیصلہ کردے۔

میں اٹھ گیا اور میرے پیچھے بنوسلمہ کے کچھ افراد دوڑتے ہوئے آئے اور مجھ سے کہنے لگے۔

بخدا ہمیں تمہارے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہے اور تم نے بڑی کوتاہی کی کہ حضور ﷺ کے سامنے ویسا ہی کوئی عذر نہیں بیان کیا جیسے دوسرے نہ شریک ہونے والوں نے بیان کردیا تھا۔ تم اور تمہارے گناہ کیلئے حضور ﷺ کا استغفار ہی کافی ہوجاتا۔

خدا کی قسم! ان لوگوں نے مجھے اس بات پر اتنی ملامت کی کہ مجھے خیال آیا کہ واپس جا کر آنحضرت ﷺ سے کوئی جھوٹا عذر بیان کرآؤں۔

پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ کسی اور نے بھی مجھ جیسا عذر بیان کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں! دو حضرات نے اسی طرح معذرت کی ہے جس طرح تم نے کی ہے اور انہیں جواب بھی وہی ملا جو تمہیں ملا میں نے پوچھا کہ انکے نام کیا ہیں؟

انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع العمری اور ہلال بن اُمیہ الشقفی انہوں نے دو ایسے صحابہ کا نام لیا جو صالح تھے اور وہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا طرزِ عمل میرے لئے نمونہ بن گیا، چنانچہ انہوں نے جب ان کا نام لیا تو میں اپنے گھر چلا آیا اور آنحضور ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت کردی۔ بہت سے لوگ جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ان میں سے صرف ہم تین ہی تھے، لوگ ہم سے الگ تھلگ رہنے لگے اور سب لوگ بدل گئے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ساری کائنات ہی بدل گئی، ہمارا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں رہا۔

پچاس (۵۰) دن تک ہم اسی طرح رہے، میرے دو ساتھیوں (ہلال اور مرارۃ) نے تو اپنے گھروں سے نکلنا ہی چھوڑ دیا، بس روتے رہتے تھے۔ لیکن میرے اندر ہمت و جرات تھی، میں باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھوما کرتا تھا۔ لیکن مجھ سے بولتا کوئی نہ تھا۔

میں حضور ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا، آپ ﷺ کو سلام کرتا، جب آپ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے تھے، میں اس کی جستجو میں لگا رہتا تھا کہ دیکھوں سلام کے جواب میں آنحضور ﷺ کے مبارک ہونٹ ہلتے ہیں یا نہیں۔ پھر آپ ﷺ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا تو آنحضور ﷺ نے میری طرف دیکھتے لیکن جونہی

میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا۔ آپ ﷺ چہرہ پھیر لیتے۔

آپ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کا ایک کاشتکار جو غلہ فروخت کرنے مدینہ آیا تھا، پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک، کہاں رہتے ہیں؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو وہ میرے پاس آیا اور شاہ غسان کا ایک خط مجھے دیا، اس خط میں یہ تحریر تھا:

"اما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب تمہارے ساتھ زیادتی کرنے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں کوئی ذلیل نہیں پیدا کیا کہ تمہارا حق ضائع کیا جائے، تم ہمارے یہاں آجاؤ، ہم تمہارے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں گے۔"

جب میں نے یہ خط پڑھا تو بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں نے کہا۔

یہ دن بھی آنے تھے۔ اس خط کو تنور میں جلا دیا، ان پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر چکے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے قاصد میرے پاس آئے اور کہا کہ حضور ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی کے قریب نہ جاؤ۔ میں نے پوچھا، کیا میں اسے طلاق دے دوں یا پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟

انہوں نے کہا کہ نہیں، صرف ان سے الگ رہو، ان کے قریب نہ جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کوئی فیصلہ کر دے۔ اس طرح دس دن اور گزر گئے اور جب سے آنحضور ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت فرمائی تھی اس کے پچاس دن پورے ہو گئے۔ پچاسویں رات کی صبح کو جب میں فجر کی نماز پڑھ چکا اور اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا، میرا دم گھٹتا جا رہا تھا اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود میرے لئے تنگ ہوتی جا رہی تھی کہ میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی۔

سلع پہاڑ پر چڑھ کر کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا:

"اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو"

حضرت کعب کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور مجھے یقین ہو گیا اب کشائش ہو جائے گی، فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان کر دیا تھا۔ لوگ میرے یہاں بشارت دینے کیلئے آنے لگے اور میرے دو ساتھیوں کو بھی جا کر خوشخبری دیدی۔

ایک صاحب (حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ) اپنا گھوڑا دوڑائے آرہے تھے اور آواز گھوڑے سے زیادہ تیز تھی جن صحابی نے (سلع پہاڑ سے) آواز دی تھی جب میرے پاس بشارت دینے آئے تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس بشارت کی خوشی میں انہیں دے دیئے۔

خدا گواہ ہے کہ اس وقت میری ملکیت میں کوئی چیز نہیں تھی، پھر میں نے (ابو قتادہ) سے دو

کپڑے مانگ کر پہنے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔لوگ جوق در جوق مجھ سے ملاقات کرتے جاتے تھے اور مجھے توبہ کی قبولیت پر خوشخبری دیتے جاتے تھے۔

کہتے تھے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت مبارک ہو، حضرت کعب بیان کرتے ہیں کہ آخر میں مسجد میں داخل ہوا، حضور ﷺ تشریف فرما تھے، چاروں طرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مجمع تھا، حضرت طلحہ بن عبید اللہ دوڑ کر میری طرف بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔

خدا گواہ ہے کہ وہاں موجود مہاجرین میں سے کوئی ان کے سوا میرے آنے پر کھڑا نہیں ہوا۔طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا۔حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب میں نے آنحضور ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس مبارک دن کیلئے تمہیں بشارت ہو جو تمہاری عمر کا سب سے مبارک دن ہے۔"

انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا:

"یارسول اللہ! یہ خوشخبری آپ ﷺ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے...؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔"

آپ ﷺ جب کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ مبارک روشن ہو جاتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔آپ ﷺ کی مسرت ہم چہرہ مبارک سے سمجھ جاتے تھے۔

پھر جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تو عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں میں اپنا مال اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کر دوں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"لیکن کچھ مال اپنے پاس بھی رکھ لو! یہ زیادہ بہتر ہے۔"

میں نے عرض کیا:

"پھر میں خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ لیتا ہوں"

میں نے پھر عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کیوجہ سے نجات دی، اب میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا، سچ کے سوا اور کوئی بات زبان پر نہ لاؤں گا۔"

پس اللہ گواہ ہے جب سے میں نے حضور ﷺ کے سامنے یہ عہد کیا، میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جسے اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اتنا نوازا ہو۔جتنی نوازشات اس کی مجھ پر سچ بولنے کی وجہ سے ہیں، نیز جب سے میں نے حضور ﷺ کے سامنے یہ عہد کیا پھر آج تک کبھی جھوٹ کا ارادہ بھی نہیں کیا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا۔



سلطان کی فہم و فراست

بنت محمد

ایک ٹیچر دوسرے ٹیچر کی جگہ کلاس لینے چلا گیا۔ تھکن کے باوجود کامیابی کے موضوع پر طلبا کو لیکچر دیا اور پھر ہر ایک سے سوال کیا۔

''ہاں جی تم نے کیا بننا ہے؟''

''ہاں جی آپ کیا بنو گے؟''

''ہاں جی آپ کا کیا ارادہ ہے؟ کیا منزل ہے؟''

سب طلبا کے ملتے جلتے جواب۔

ڈاکٹر

انجینئر

پولیس

فوجی

بزنس مین۔

لیکن ایسے لیکچر کے بعد یہ میرا روٹین کا سوال تھا اور بچوں کے روٹین کے جواب۔



جن کو سننا کانوں کو بھلا اور دل کو خوشگوار لگتا تھا۔ لیکن ایک جواب آج بھی دوبارہ سننے کو نا ملا کان تو اس کو سننے کے متلاشی تھے ہی مگر روح بھی بے چین تھی۔

عینک لگائے بیٹھا خاموش گم سم بچہ جس کو میں نے بلند آواز سے پکار کر اس کی سوچوں کا تسلسل توڑا۔

''ہیلو! ارے میرے شہزادے! آپ نے کیا بننا ہے؟ آپ بھی بتا دو! کیا آپ سر تبسم سے

ناراض ہیں؟‘‘

بچہ آہستہ سے کھڑا ہوا اور کہا۔

’’سر! میں نورالدین زنگی بنوں گا۔‘‘

میری حیرت کی انتہا نا رہی اور کلاس کے دیگر بچے ہنسنے لگے۔اس کی آواز گویا میرا کلیجہ چیر گئی ہو۔روح میں ارتعاش پیدا کر دیا۔

پھر پوچھا،بیٹا! آپ کیا بنو گے؟

’’سر! میں نورالدین زنگی بادشاہ بنوں گا۔‘‘

ادھر اس کا جواب دینا تھا ادھر میری روح بے چین ہوگئی جیسے اسی جذبے کی اسی آواز کی تلاش میں اس شعبہ تدریس کو اپنایا ہو۔

’’بیٹا! آپ ڈاکٹر فوجی یا انجینیر کیوں نہیں بنو گے؟‘‘

’’سر! امی نے بتایا ہے کہ اگر میں نورالدین زنگی بنوں گا تو مجھے نبی پاک ﷺ کا دیدار ہو گا جو لوگ ڈنمارک میں ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں ان کو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔‘‘

اس کے ساتھ ساتھ اس بچے کی آواز بلند اور لہجے میں سختی آ رہی تھی۔

اس کی باتیں سن کر میرا جسم پسینہ میں شرابور ہوگیا ادھر کلاس کے اختتام کی گھنٹی بجی اور میں روتا ہوا باہر آیا۔

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ آج ماؤں نے نورالدین زنگی پیدا کرنے چھوڑ دیے ہیں اور اساتذہ نے نورالدین زنگی بنانا چھوڑ دیے ہیں۔

میں اس دن سے آج تا دم تحریر اپنے طلبا میں پھر سے وہ نورالدین زنگی تلاش کر رہا ہوں۔

کیا آپ جانتے ہیں وہ کون ہے اس ماں نے اپنے بیٹے کو کس نورالدین زنگی کا تعارف کروایا ہو گا یہ واقعہ پڑھیے اور اپنے بچوں میں سے ایک عدد نورالدین زنگی قوم کو دیجیے۔

☆......☆......☆

ایک رات سلطان نورالدین زنگی رحمتہ اللہ علیہ عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے کہ اچانک اٹھ بیٹھے اور نم آنکھوں سے فرمایا۔

’’میرے ہوتے ہوئے میرے آقا دو عالم ﷺ کو کون ستا رہا ہے؟‘‘

آپ اس خواب کے بارے میں سوچ رہے تھے جو مسلسل تین دن سے انہیں آ رہا تھا اور آج پھر چند لمحوں پہلے انھیں آیا جس میں سرکار دو عالم ﷺ نے دو افراد کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ مجھے ستا رہے ہیں۔

اب سلطان کو قرار کہاں تھا؟ انہوں نے چند ساتھی اور سپاہی لے کر دمشق سے مدینہ جانے کا ارادہ فرمایا۔

اس وقت دمشق سے مدینہ کا راستہ ۲۰-۲۵ دن کا تھا مگر آپ نے بغیر آرام کیئے یہ راستہ ۱۶ دن میں طے کیا۔

مدینہ پہنچ کر آپ نے مدینہ آنے اور جانے

کے تمام راستے بند کروادیے اور تمام خاص و عام کو اپنے ساتھ کھانے پر بلایا۔

اب لوگ آرہے تھے اور جارہے تھے، آپ ہر چہرہ دیکھتے مگر آپ کو وہ چہرے نظر نہ آئے۔

اب سلطان کو فکر لاحق ہوئی اور آپ نے مدینے کے حاکم سے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا ہے جو اس دعوت میں شریک نہیں۔

جواب ملا کہ مدینے میں رہنے والوں میں سے تو کوئی نہیں مگر دو مغربی زائر ہیں جو روضہ رسول کے قریب ایک مکان میں رہتے ہیں۔

تمام دن عبادت کرتے ہیں اور شام کو جنت البقیع میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں، جو عرصہ دراز سے مدینہ میں مقیم ہیں۔

سلطان نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، دونوں زائر بظاہر بہت عبادت گزار لگتے تھے۔

ان کے گھر میں تھا ہی کیا، ایک چٹائی اور دو چار ضرورت کی اشیاء کہ یکدم سلطان کو چٹائی کے نیچے کا فرش لرزتا محسوس ہوا، آپ نے چٹائی ہٹا کے دیکھا تو وہاں ایک سرنگ تھی۔

آپ نے اپنے سپاہی کو سرنگ میں اترنے کا حکم دیا۔ وہ سرنگ میں داخل ہوئے اور واپس آکر بتایا کہ یہ سرنگ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف جاتی ہے۔

یہ سن کر سلطان کے چہرے پر غیظ وغضب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ نے دونوں زائرین سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟

حیل وحجت کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ یہودی ہیں اور اپنے قوم کی طرف سے تمہارے پیغمبر کے جسم اقدس کو چوری کرنے پر مامور کیے گئے ہیں۔

سلطان یہ سن کر رونے لگے۔ اسی وقت ان دونوں کی گردنیں اڑادی گئیں۔

سلطان روتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ ''میرا نصیب کہ پوری دنیا میں اس خدمت کے لئے اس غلام کو چنا گیا''

اس ناپاک سازش کے بعد ضروری تھا کہ ایسی تمام سازشوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کیا جاسکے۔ سلطان نے معمار بلایا اور قبر اقدس کے چاروں طرف خندق کھودنے کا حکم دیا یہاں تک کے پانی نکل آئے۔ سلطان کے حکم سے اس خندق میں پگھلا ہوا سیسہ بھر دیا گیا۔

☆......☆......☆

ایک مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

میں نے اسلامی عہد کے حکمرانوں سے لے کر اس وقت تک کے تمام بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا لیکن خلفائے راشدین اور عمر بن عبد العزیز کے سوا نور الدین سے زیادہ بہتر فرمانروا میری نظر سے نہیں گزرا۔

☆......☆......☆

اب پچھتائے کیا ہوت

محمد ساجد محمود

"ماریہ! ماریہ! بیٹا تمہیں یاد ہے کہ تمہارے اگلے مہینہ امتحان ہونے والے ہیں۔ چلو اٹھو اور یہ موبائل بند کر کے امتحان کی تیاری کرو!" امی نے ماریہ کو آواز دی۔

"اچھا! امی اٹھ رہی ہوں ناں۔۔۔! آپ تو ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔"

ماریہ نے گیم کھیلتے ہوئے بدتمیزی سے جواب دیا۔

"بیٹا! تم دوپہر سے موبائل میں لگی ہو اب مغرب ہونے والی ہے۔ تمہاری آنکھیں کمزور ہو جائیں گی۔۔۔اٹھو۔۔!"

امی یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

مگر ماریہ وہیں بیٹھی کھیلتی رہی۔

آج کلاس میں اتفاق سے ماریہ کو آخری سیٹ ملی، عموماً وہ پہلی سیٹ پر بیٹھتی تھی۔

مس نے کام کروانا شروع کر دیا۔ ماریہ کو محسوس ہوا کہ اس کو بلیک بورڈ واضح نظر نہیں آرہا۔ اس کو کام کرنے میں دقت ہو رہی تھی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح کام کرتی رہی۔

اگلے دن مس نے سب بچوں کو کاپیاں چیک



کر کے واپس کیں۔

"ماریہ! بیٹا! آپ ادھر آئیں!" مس نے ماریہ کو اشارے سے بلایا۔

ماریہ جھجکتی ہوئی مس کے پاس آئی۔

"بیٹا! کیا آپ کی آنکھیں کمزور ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"نہیں مس!" ماریہ کی جان میں جان آئی، مس نے ڈانٹنے کے لیے نہیں بلایا تھا۔

"تو پھر بیٹا! آپ نے کاپی میں اتنی غلطیاں کیوں کی ہیں؟ کیا آپ کو بلیک بورڈ نظر نہیں آتا؟"

"جی مس! کل مجھے بلیک بورڈ صحیح سے نظر نہیں آ رہا تھا۔" ماریہ نے بے چینی سے کہا۔

"تو بیٹا! آپ اپنی آنکھیں چیک کروائیں۔ جائیں اپنی ڈائری لے کر آئیں! میں آپ کی ڈائری میں نوٹ لکھوں گی۔" مس نے کہا اور اس کی ڈائری میں نوٹ لکھ کر دیا۔

ماریہ نے گھر جا کر امی کو بتایا۔ امی بہت پریشان ہوئیں۔

☆......☆......☆

دوسرے دن وہ امی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاں موجود تھی۔ ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا پھر بولے:

"کیا یہ بہت زیادہ موبائل استعمال کرتی ہیں؟"

"جی ڈاکٹر صاحب! بہت زیادہ۔۔!"

امی نے غصہ سے اس کی طرف دیکھا۔

"بس تو پھر یہی وجہ ہے آنکھیں کمزور ہونے کی۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"ڈاکٹر انکل! کیا مجھے چشمہ لگانا پڑے گا؟" ماریہ روہانسی ہوگئی۔

"ظاہری بات ہے آپ کی آنکھیں اتنی کمزور ہوگئی ہیں کہ اب آپ کا چشمہ کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا۔" ڈاکٹر صاحب گویا ہوئے۔

"اب آپ کو موبائل استعمال کرنے میں بھی احتیاط کرنی ہوگی۔"

"بہت بہت شکریہ۔۔ڈاکٹر صاحب!" امی اور ماریہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆......☆......☆

ماریہ نے چشمہ لگا کر اپنے آپ کو شیشے میں دیکھا۔ اس کو اپنا آپ اس موٹے سے چشمے میں ذرا بھی نہ بھایا۔

"امی مجھے ہر وقت موبائل کم استعمال کرنے کی تلقین کرتی تھیں مگر میں ان کی بات سنی ان سنی کر دیتی تھی اور ان سے بدتمیزی سے پیش آیا کرتی تھی۔ شاید یہ اسی کی سزا ہے۔

کاش میں نے امی کی بات مان لی ہوتی۔" وہ خود کو شیشے میں دیکھ کر پچھتا رہی تھی۔

☆......☆......☆

کہانی ایک ایسے غلام کی جس سے منگول بھی ڈرتے تھے۔



بہادر غلام

داؤد بن طلحہ السیف

آج ہم آپ کو ایک ایسے غلام کی کہانی سنائیں گے جو سلطانوں کی طرح مشہور ہوا اور جس نے اپنی بہادری سے نہ صرف حکومت حاصل کی بلکہ کئی ظالموں کو منطقی انجام تک پہنچایا فتوحات کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ بڑے بڑے جنگجو اس کے نام سے تھر تھر کانپتے تھے۔

تاریخ منگولوں کے ظلم سے بھری پڑی ہے لیکن اس غلام نے منگولوں کی ایسی کمر توڑی کہ وہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔ یہ غلام ایک عظیم فاتح، دلیر جنگجو اور عالم اسلام کا ایسا ہیرو بنا جس کو تاریخ کبھی بھلا نہ پائے گی۔

جی ہاں! ہم بات کر رہے ہیں سلطان رکن الدین بیبرس کی جو 19 جولائی 1223ء کو دشتِ قیچاق میں ایک خانہ بدوش قبیلے میں پیدا ہوئے، قیچاق ترک عہد وسطیٰ میں یورپ و ایشیاء کے درمیانی علاقے میں آباد تھے۔

بیبرس ہلاکو خان اور غیاث الدین بلبن کا ہم عصر تھا اور کہا جاتا ہے کہ بیبرس کو غلام بنا کر فروخت کیا گیا تھا پھر وہ اپنے زورِ بازو سے سلطانِ مصر و شام بنا۔

الملک الظاہر رکن الدین بیبرس کا اصل نام البند قداری، لقب ابوالفتوح تھا لیکن بیبرس کے

نام سے شہرت پائی۔

بیبرس سیف الدین قطز کا جانشین اور مصری افواج کے ان کمانڈروں میں سے ایک تھا جس نے فرانس کے بادشاہ لوئس نہم کو ساتویں صلیبی جنگ میں شکست دی۔ رکن الدین بیبرس (620ھ-676ھ) کے 3 کارنامے تاریخ میں ہمیشہ یادرکھے جائیں گے۔

پہلا کارنامہ یہ تھا کہ بیبرس نے سلطان سیف الدین قطز کے ساتھ مل کر منگولوں کو معرکۂ عین جالوت میں عبرتناک شکست دی۔ یہ مشہور جنگ 25 رمضان 658ھ کو لڑی گئی، اس جنگ میں منگولوں کا وہ حال کیا کہ اسکے بعد وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے اس طرح حجازِ مقدس اور مصر منگولوں کے ظلم سے ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو گئے۔عین جالوت (فلسطین میں) وہی جگہ ہے جہاں حضرت طالوت علیہ السلام کے مختصر لشکر نے جالوت کے لشکرِ جرار کو شکست دی تھی۔

یہ سلطان رکن الدین بیبرس کا دوسرا شاندار کارنامہ نہیں تو اور کیا ہے کہ اس نے تقریباً پونے دوصدی تک چلی صلیبی جنگوں کا خاتمہ کیا اور صلیبیوں کو ایسی عبرتناک شکست دی کہ پھر وہ دوبارہ حملہ کرنے کے قابل نہ رہے۔

بیبرس کا تیسرا کارنامہ یہ تھا کہ 659ھ میں مصر میں رسمی سہی مگر خلافتِ عباسی دوبارہ قائم کی جبکہ مغلوں نے بغداد کو تہس نہس کر کے خلافتِ عباسی کا بالکل خاتمہ کر دیا تھا۔

بغداد کو تباہ کرنے کے بعد جب ہلاکو خان کی فوجیں شام کی طرف بڑھیں تو بیبرس اور ایک مملوک سردار سیف الدین قطز نے مل کر عین جالوت کے مقام پر ان کو فیصلہ کن شکست دی اور منگول افواج کو نکال باہر کیا۔



بیبرس کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے مصر وشام کو منگولوں کی تباہ کاریوں سے بچایا۔اس نے مصری سلطنت کی شمالی سرحد ایشیائے کوچک کے وسطی علاقوں تک پہنچادی۔

بیبرس کا ایک اور بڑا کارنامہ شام کے ساحل پر قابض یورپی حکومتوں کا زور توڑنا تھا۔یہ حکومتیں پہلی صلیبی جنگ کے زمانے سے شام کے ساحلی شہروں پر قابض تھیں۔

نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے اگرچہ اندرون ملک اور فلسطین سے صلیبیوں کو نکال دیا تھا لیکن ساحلی شہروں پر ان کا اقتدار عرصے تک قائم رہا۔ان کو بحری راستے سے یورپ سے معاونت میسر رہتی تھی۔

بیبرس نے عین جالوت میں منگولوں کے ساتھ اتحاد کرنے کی کوشش کرنے پر 1268ء میں مسیحی سلطنت انطاکیہ کا خاتمہ کیا۔ انطاکیہ کی سلطنت کا خاتمہ 1271ء میں نویں صلیبی جنگ کا باعث بنا جس کی قیادت انگلستان کے شاہ ایڈورڈ نے کی مگر وہ بیبرس سے کوئی بھی علاقہ چھیننے میں ناکام رہا۔

بیبرس نے اپنی سلطنت کو جنوب میں سوڈان کی طرف بھی وسعت دی۔ اپنی ان فتوحات اور کارناموں کی وجہ سے بیبرس کا نام مصر وشام میں صلاح الدین ایوبی کی طرح مشہور ہوا۔

بیبرس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھیس بدلنے کا شوقین تھا۔کبھی وہ گداگر کا روپ دھارتا اور کبھی مہمان بن کر دسترخوان پر اکیلا مزے اڑاتا دکھائی دیتا، بلا کا حاضر دماغ تھا۔فطری طور پر جنگجو تھا اسکی عسکری صلاحیتیں دشت وصحرا میں پروان چڑھیں۔اسے دمشق میں تقریباً 500 روپے میں فروخت کیا گیا وہ بحری مملوکوں کے جتھوں میں بطور تیر انداز شامل ہوا اور بالآخر انکا سردار بن گیا۔وہ اکیلا خاقان اعظم کی یلغار کے سامنے حائل ہوا اور منگولوں کو تہس نہس کر دیا اسکے جوابی حملے نے فرانسیسی بہادروں کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔

بلا کا خوش طبع انسان تھا گھوڑے پر سوار ہو کر اکیلا نکل جاتا تو دوسرے دن فلسطین میں نمودار ہوتا اور چوتھے دن صحرائے عرب میں ملتا۔ بڑا حوصلہ مند تھا ایک ایک دن میں میلوں کی مسافت طے کر لیتا۔

جب سلطان بنا تو اس کے مشیروں اور وزیروں کو بھی اسکے عزائم کا علم نہ ہوتا ہر شخص کو یہی خیال رہتا ممکن ہے سلطان اسکے قریب بیٹھا اسکی باتیں سن رہا ہو،لوگ اسکے کارنامے سن کر خوش ہوتے لیکن اسکے تقرب سے گھبراتے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن بیبرس نے ایک تاتاری سپاہی کا بھیس بدلا اور تن تنہا شمال کی طرف غائب ہوگیا کئی دن سفر کرنے کے بعد وہ تاتاریوں کے علاقے میں داخل ہوا اور جگہ جگہ

گھوم پھر کر حالات کا جائزہ لینے لگا۔

انگریز مصنف ہیرلڈ یم اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ مختلف زبانوں میں مہارت رکھنے کی وجہ سے وہ ہر قسم کے لوگوں میں گھل مل جاتا اسلئے اس پر کسی کو شبہ نہ ہوا ایک دن اس نے تاتاری علاقے کے کسی نانبائی کی دکان پر کھانا کھایا اور ایک برتن میں اپنی شاہی انگھوٹی اتار کر رکھ دی پھر اپنے علاقے میں واپس آگیا اور وہاں سے تاتاری فرمانروا کو خط لکھا۔

"میں تمہاری مملکت کے حالات کا معائنہ کرنے کیلئے فلاں جگہ گیا تھا نانبائی کی دکان پر انگھوٹی بھول آیا ہوں مہربانی فرما کر وہ انگھوٹی مجھے بھجوادو کیونکہ وہ مجھے بہت پسند ہے۔"

قاہرہ کے بازاروں میں لوگ یہ قصہ سن کر قہقہے لگاتے تھے۔

ایک دفعہ سلطان بیبرس عیسائی زائر کا بھیس بدل کر صلیبیوں کے مقبوضہ علاقوں میں داخل ہوا اور کئی ہفتوں تک انکے فوجی انتظامات کا جائزہ لیتا رہا کہا جاتا ہے کہ وہ تقریباً 20 ایسے قلعوں کو دیکھنے میں کامیاب ہوا جو عیسائیوں کی قوت کا مرکز تھے۔

ایک دن اس نے قاصد کا بھیس بدلا اور ایک ہرن کا شکار لے کر سیدھا انطاکیہ کے حاکم بوہمنڈ کے دربار جا پہنچا جب بیبرس قلعے سے باہر گیا تو کسی نے آکر بوہمنڈ کا بتایا یہ ایلچی خود سلطان تھا یہ سن کر بوہمنڈ پر لرزاں طاری ہوگیا۔

بیبرس کی بیدار مغزی نے جہاں اسے اپنی عوام کی آنکھوں کا تارا بنا رکھا تھا وہاں دشمنوں کے دل پر ایسی ہیبت طاری کردی تھی کہ سب اسکا نام سن کر تھراتے تھے۔

تاتاریوں کو انکی عروج میں روکنے والا یہی جنگجو تھا۔ معرکہ عین جالوت کا ہیرو بھی بیبرس کو ہی کہا جاتا ہے۔ اس کے سامنے جب کوئی ہلاکو خان کے ظلم و جبر کی باتیں کرتا تو بیبرس قہقہہ لگا کر کہتا وقت آنے دو تاتاریوں کو ہم دکھا دیں گے کہ لڑنا صرف وہ نہیں جانتے۔

تاتاریوں کے عروج کے دور میں سلطان بیبرس کے دربار میں جب ہلاکو کے ایلچی آئے اور بدتمیزی سے بات کی تو بیبرس نے انکے سر قلم کرکے قاہرہ کے بازاروں میں لٹکا دیئے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اب لڑنا ہوگا یا مرنا ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ مصر کے اس بہادر نے تاتاریوں کو پہلے ہی معرکے میں ایسی شکست دی کہ اس کے بعد وہ آگے بڑھنے کی ہمت کھو بیٹھے۔

بیبرس نے یکم جولائی 1277ء کو وفات پائی اور اسے دمشق کے المكتبة الظاهرية میں دفن کیا گیا۔ بیبرس نے رفاہ عامہ کے کام بھی کیے۔ نہریں، پل اور مدرسے تعمیر کرائے۔ وہ اپنے تعمیر کیے ہوئے ظاہریہ کتب خانہ (دمشق) کے احاطے میں دفن ہے۔

☆......☆......☆

آم ہی آم

سرفراز صدیقی

آم ایک خاص پھل ہے۔اتنا خاص کہ اسے پھلوں کا شہنشاہ کہا جاتا ہے۔آم واقعی پھل نہیں بلکہ یہ کاجو اور پستے کے قبیلے سے تعلق رکھنے والا ایک میوہ ہے۔لیکن چونکہ قدیم زمانے سے ہم سب اِسے پھل ہی کہتے آئے ہیں اس لیے ہم بھی یہاں اسے پھل ہی کہیں گے۔

آج کل ہمارے ملک میں آموں کی بہار ہے۔جدھر دیکھیے آم ہی آم اور وہ بھی گھٹلیوں کے دام! اگر پاکستانی آم کہیں مغرب کے کسی مُلک میں بکتا تو یقیناً سونے کے بھاؤ بیچا جاتا۔ اس کی قدر یورو، پاونڈ اور ڈالر وغیرہ میں ہوتی۔



یہ سچ ہے کہ ہمارے ملک کا آم بیرون ملک بھی بے تحاشہ ایکسپورٹ ہوتا ہے اور اس میں کئی لوگ اچھا پیسہ بھی بناتے ہیں مگر اپنی حد درجہ امتیازی حیثیت کے باوجود یہ پھر بھی نسبتاً سستا ہی ہے اور یہ انتہائی شکر کی بات ہے۔

پاکستان کا آم بے نظیر ہے۔گو آم کی کم و بیش ہزار مختلف اِقسام ہیں مگر پاکستان میں چاہے آپ چونسا لے لیں یا انور اٹول، سندھڑی، سرولی لنگڑا، دسہری، سرولی، الفانسو، نیلم، فجری، بنگن پلی، محمد دال یا دیگر کوئی نسل لے لیں سب کی سب ماشاء اللہ اپنے ذائقہ میں لاجوب ہیں۔

کہتے ہیں سونا آگ میں تپتا ہے ہے تو کُندن بنتا ہے۔اسی طرح جب ہمارا آم ملتان اور اُس کے گرد و نواح میں مئی اور جون کی جھلساتی گرمی اور لو کے تھپیڑوں میں تپ کر پکتا ہے تو وہ مِٹھاس اور ذائقہ اپنے اندر لاتا ہے کہ جو دُنیا میں کہیں اور کسی اور پھل میں نہیں پایا جاتا۔

آم پاکستان کی اُن گنی چنی چیزوں میں سے ہے کہ جس پر اللہ کا خاص فضل ہے۔میں بڑے فخر سے کہہ سکتا ہوں کے میں نے جو بہترین آم اپنے بچپن میں کھایا تھا وہ آم الحمدوللہ پاکستان میں آج بھی دستیاب ہے۔آم کی گٹھلی کا گودا بھون کر کھانے کا رواج اب شہروں کی حد تک تو ختم ہی ہوگیا ہے۔گاؤں دیہات میں اس کا سالن اب بھی

بنتا ہے۔ یہ گٹھلی کا گودا ہی دراصل اسے پستہ اور کاجو کے قبیلے سے جوڑتا ہے۔ آم کا اچار پورے برصغیر میں بہت مقبول اور مرغوب ہے۔

آم کے بارے میں انسان چار ہزار سال سے جانتا ہے۔ اور اس کی شروعات بھی برصغیر میں ہمالیہ کے نچلے حصے سے ہوئی۔ گورے بھی آم کے رسیا ہیں مگر انھوں نے زیادہ تر ٹروپیکل اور لاطینی جنگلی آم کھایا ہے۔ جس کے بارے میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ اُس آم کو آم کہنا آم کی توہین ہے۔

آم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے ذائقہ، شیرینی، خوشبو اور خوشنمائی بخشی ہے وہیں اس میں بے تحاشہ طبی فوائد بھی رکھے ہیں۔

اب آپ ملاحظہ کریں کہ:

آم چاہے کچا ہو یا پکا اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ آم میں موجود اینٹی آکسیڈینٹس مختلف اقسام کے کینسر جیسے سینے کا کینسر، لوکیمیا، پراسٹریٹ کینسر، سے بچاؤ میں مدد فراہم کرتا ہے۔

یہ اپنے ریشے، وٹامن C اور نشاستہ دار غذائیت کی بدولت خون میں LDL یعنی خراب کولیسٹرول کی سطح کم کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ جلد کی خوبصورتی کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اِس کا ایک کپ کے برابر روزانہ استعمال آنکھوں کے لیے وٹامن A کی روزانہ کی ضرورت کو پوری کرتا ہے۔

آم کے پتے ذیابیطس کے مریضوں کے لیے مفید ہے۔ آم کھانے سے نظام ہاضمہ بہتر ہوتا ہے اور یہ امیون سسٹم کو بہتر کرتا ہے۔

کچے آم کا شربت گرمی سے اور دل کے صدمے سے بچاتا ہے۔ آم وٹامن سی کی وافر مقدار کے سبب خون کے امراض کا بھی کارگر علاج ہے۔ یہ خون کی نالیوں کی لچک میں اضافہ کرتا ہے اور خون کے نئے خلیے بنانے میں مدد دیتا ہے۔ اس کے استعمال سے غذائی فولاد (فوڈ آئرن) کا انجذاب بڑھتا ہے جبکہ خون کا اخراج رکتا ہے۔ یہ تپ دق، انیمیا، ہیضہ اور پیچش کے خلاف بدن میں مزاحمت بڑھاتا ہے۔

وزن میں کمی کی صورت میں آم اور دودھ کا استعمال زبردست اور مثالی علاج ہے۔ آم کی چھال خناق اور گلے کی دیگر بیماریوں کے علاج میں کارآمد ہے۔

آم کا پھل توڑنے کے وقت شاخ سے جو رس نکلتا ہے اسے بچھو یا شہد کی مکھی کے ڈنک پر لگایا جائے تو فوراً درد دور ہو جاتا ہے۔ کچے آم کا چھلکا قابض اور مقوی ہوتا ہے۔

آم کے فوائد اتنے زیادہ ہیں کہ اِن پر پوری ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن اب ہم ان پیڑوں کو گنّا چھوڑتے ہیں اور کچھ اچھے اور ٹھنڈے سے آم کھاتے ہیں اور اس شہنشاہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

☆......☆......☆



سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

سرنگا پٹم کی فضا پرسکون تھی کہ پیشوائے پونا کے ایک خط نے نواب حیدرعلی کے جسم میں آگ لگادی۔ مادھوراؤ نے والی میسور سے ان پچاس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تھا، جو ابھی تک ادا نہیں کیئے گئے تھے۔

''حیدرعلی! تو بدمعاملہ بھی ہے اور جھوٹا بھی۔ اگر تو نے فوری طور پر پچاس لاکھ کی رقم مع سود ادا نہیں کی تو میں ریاست میسور کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔''

مادھو راؤ نے جان بوجھ کر اپنے خط میں اس قدر تحقیر آمیز الفاظ استعمال کیئے تھے۔ دراصل وہ میسور پر حملہ کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ مادھو راؤ، صوبہ سرا پر قبضہ کر کے ایک بار پھر جولی ہندوستان میں مرہٹہ اقتدار کو شہنشاہیت کے درجے تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ حیدرعلی نے بے مثال ضبط وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جلد از جلد رقم کی ادائیگی کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن مادھوراؤ کی نیت درست نہیں تھی۔

وہ ایک لشکر جرار لے کر میسور کی طرف بڑھا۔ حیدرعلی نے معاہدہ مدراس کے مطابق انگریزوں سے مدد مانگی مگر گورنر نے صاف انکار کردیا۔ نواب حیدرعلی اور انگریزوں کے درمیان معاہدہ

مدراس 29 مارچ 1766ء کو ہوا تھا۔ چار سال تک حیدر علی اپنی تباہ شدہ مملکت کی تعمیر نو کرتا رہا اور اس کے دشمن زیر زمین نئی سازشوں کے خاکے تیار کرتے رہے۔ اگرچہ نظام علی خان سے بھی حیدر علی کا معاہدہ ہو چکا تھا مگر یہ ساری کی ساری کاغذی کارروائیاں تھیں۔ والی دکن کا نہ دماغ بدلا تھا اور نہ دل۔

نظام علی خان کے دماغ میں وہی بوئے حکومت تھی کہ میسور کو تباہ کر کے حیدر علی کے پورے علاقے کو دکن میں شامل کر لیا جائے۔ آخر نظام علی خان دوبارہ خفیہ طور پر انگریزوں سے جا ملا۔ کبھی کبھی نظام علی خان کے دل میں انسانی جذبات بھی ابھرتے تھے اور وہ حیدر علی سے کیے ہوئے عہد کا پاس رکھنا چاہتا تھا۔ مگر اس کا وزیر اعظم رکن الدولہ اور مشیر خاص میر عالم اسے ہمیشہ والی میسور کے خلاف اکساتے رہتے تھے۔ یہ دونوں اپنے ناموں کے اعتبار سے بظاہر مسلمان تھے مگر در پردہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے بدترین دشمن تھے۔ آخر نظام علی خان کے دل و دماغ پر سیاہی چھا گئی اور اس نے ایک خفیہ نشست میں نواب حیدر علی سے کیے ہوئے معاہدے کو چاک کر ڈالا اور قسم کھائی کہ وہ والی میسور کی مکمل تباہی تک چین سے نہیں بیٹھے گا۔

آخر نظام دکن کا مشیر خاص میر عالم سفیر ہو کر مدراس میں انگریزوں کے آستانے پر حاضر ہوا۔ گورنر مدراس اسی دن کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر میر عالم نے ایک نئے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اس معاہدے کے مطابق والا جاہ محمد علی ہمیشہ کے لئے ارکاٹ کا نواب بن گیا تھا۔ اور نظام دکن، کرناٹک کے علاقے سے قانوناً دستبردار ہو گیا تھا۔ نواب حیدر علی کو ان خفیہ سرگرمیوں کی خبر ہی نہ ہوئی۔ ایک طرف نظام دکن نے معاہدے کی دستاویز کو پارہ پارہ کر دیا تھا تو دوسری جانب انگریز بھی صلح نامہ مدراس کی دھجیاں اڑا چکے تھے مگر یہ سب کچھ اس قدر راز داری کے ساتھ ہوا تھا کہ والی میسور کو اپنے حلیف کی نیت پر شبہ بھی نہ ہو سکا۔

پھر 1770ء میں پیشوائے پونا ایک لشکر کثیر لے کر میسور پر حملہ آور ہوا۔ مادھو راؤ کے ساتھ اس کا وزیر نانا فرنویس اور سپہ سالار ترمک راؤ بھی تھا، جس کی زیر قیادت ایک لاکھ سوار، سات ہزار پیادے اور پچاس ہزار بندوقی تھے۔ اس کے علاوہ ایک بڑا توپ خانہ بھی ساتھ تھا اور پنڈاروں کی بے قاعدہ فوج بھی مرہٹہ لشکر کے ہمراہ تھی۔ مزید یہ کہ شاہ نور کا نواب عبدالحکیم خان درچندرگ کا راجہ بھی پیشوا مادھو راؤ کے ساتھ فوجی تعاون کر رہا تھا۔

حیدر علی کے جاسوسوں نے خبر دیتے ہوئے کہا۔ نواب بہادر سرزمین میسور نے حملہ آوروں کی اتنی بڑی تعداد پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ ایسا لگتا ہے کہ سارا ہندوستان ہی آپ کے خلاف امڈ آیا ہے۔

حیدر علی حسب عادت مسکرایا، پھر اس نے

اپنے برق رفتار قاصدوں کو گورنر مدراس کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا جس میں فرنگی حاکم سے معاہدے کے مطابق فوجی مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ گورنر مدراس کو اسی دن کا انتظار تھا۔ اس نے روایتی حیلہ سازی اور مکاری سے کام لیتے ہوئے جواباً چند الفاظ تحریر کر دیے۔

''میں انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ حکومت مدراس خود اپنے سنگین مسائل سے دو چار ہے۔ اگر میں نے تمہاری مدد کے لئے لشکر روانہ کیا تو فرانسیسی اس صورت حال سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے اور میں کسی طرح بھی یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

مجھے معاہدے کی ایک ایک شق یاد ہے۔ مگر کیا کروں کہ صورت حال میرے قابو میں نہیں۔ اس لئے میری طرف سے دلی معذرت قبول کی جائے۔ یسوع مسیح تمہاری حفاظت کریں اور اس جنگ میں تمہیں دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو۔ میری دعائیں قدم بہ قدم تمہارے ساتھ ہیں۔''

نواب حیدر علی نے پورا خط سنا۔ ایک ایک لفظ ریاکاری اور منافقت کی روشائی سے تحریر کیا گیا تھا۔ نواب حیدر علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی مگر اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے، جیسے بارودی سرنگیں پھٹ رہی ہوں۔

والی میسور کو سید اکرام بخاری اور ماریا اسمتھ کے الفاظ یاد آئے۔ فرنگی انتہائی نا قابل اعتبار ٹھہرے تھے۔ مگر اب اس منافقانہ عمل اور شاطرانہ چال کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا تھا۔ وقت حیدر علی کی گرفت سے نکل کر بہت دُور جا چکا تھا۔ گورنر مدراس کا خط، ٹیپو سلطان نے پڑھ کر سنایا تھا۔ جب اس نے باپ کو ذہنی کشمکش کا شکار دیکھا تو پر جوش لہجے میں بولا۔

''بابا محترم! اگر ساری دنیا بھی میسور پر حملہ آور ہو جائے تو ہم جنگ کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ غازی نہ بن سکے تو شہید ہو جائیں گے کہ مسلمان کے نزدیک زندگی کی یہی اعلیٰ ترین منزل ہے۔''

حیدر علی نے بیٹے کی طرف ستائشی نظروں سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کا رنگ مزید گہرا ہو گیا۔

''ہاں فرزند! ایسا ہی ہو گا۔ ہم اپنی جاگیر کو سونے کی طشتری میں سجا کر تو پیش نہیں کریں گے بہت خون بہے، بے شمار جانیں جائیں، پھر کہیں جا کر ریاست میسور کی قسمت کا فیصلہ ہو گا۔''

اس کے بعد نواب حیدر علی اپنی تمام تر فوجی طاقت سمیٹ کر دشمن کی یلغار روکنے کے لئے آگے بڑھا۔ دونوں لشکر مقابل ہوئے۔ پانچ چھ دن تک دونوں طرف سے صف بندیاں ہوتی رہیں۔ پھر جنگ چھڑ گئی۔

مرہٹہ سالار ترمک راؤ نے اپنے توپ

خانے کو گولہ باری کا حکم دیا۔ توپوں نے اس قدر آگ اگلی کہ زمین پر زلزلے کا گمان ہونے لگا۔ اور نواب حیدر علی کا لشکر شکست کھا گیا۔

دشمنوں کے خیال میں والی میسور کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ مگر حیدر علی نے ابھی تک اپنی شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ اس نے میدان جنگ سے ہٹ کر ایک کمین گاہ میں اس لئے پناہ لی تھی کہ رات کے اندھیرے میں مرہٹوں کی فوج پر شب خون مارا جا سکے۔ مگر بد قسمتی سے گہری تاریکی کے سبب جنگل سے نکلتے نکلتے صبح ہو گئی اور مرہٹوں نے دوبارہ حیدر علی کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

مرہٹوں کا یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ حیدر علی کے نصف سے زیادہ سپاہی لقمہ اجل بن گئے اور جو باقی بچے، وہ فرار ہو گئے۔ عجیب بے چارگی کا عالم تھا۔ نواب حیدر علی ایک درخت کے نیچے تنہا کھڑا اپنے خدا سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہا تھا کہ اسی وقت سامنے سے کچھ طنبورچی گزرے۔

نواب نے انہیں طنبور بجانے کا حکم دیا۔ طنبورچیوں نے اس انداز سے طنبور بجایا کہ پورا جنگل اس کی آواز سے گونجنے لگا۔ جب مرہٹوں نے یہ آواز سنی تو سمجھے کہ حیدر علی کی مدد کے لئے تازہ دم فوج آ پہنچی ہے۔ مادھوراؤ نے فوری طور پر جنگ روک دی اور پیچھے ہٹ گیا۔

اسی دوران شام کے قریب ہیبت جنگ تازہ لشکر لے کر نواب سے آملا۔ مگر حیدر علی نے یہی مناسب خیال کیا کہ وہ پیچھے ہٹ جائے۔ آگے بڑھ کر مادھوراؤ سے برسر پیکار ہونے میں مزید افرادی قوت کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے حیدر علی بنگلور کی طرف پلٹا اور واپس جاتے ہوئے تمام علاقوں کو ویران کرتا چلا گیا تا کہ مرہٹوں کو سامان رسد نہ مل سکے۔

ٹیپو سلطان، باپ کے ہمراہ تھا اور بہت زیادہ دل گرفتہ نظر آ رہا تھا۔ حیدر علی نے بڑے مشفقانہ لہجے میں بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”فرزند! جنگ اسی کا نام ہے۔ کبھی شکست کبھی فتح کبھی یلغار کبھی واپسی۔ دشمنوں کی تعداد ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ ہے۔ ایسے موقع پر جذبات سے زیادہ عقل سے کام لینا چاہیے۔ ہمارے ہر سپاہی کی زندگی بہت قیمتی ہے۔ ہم اپنے ایک جاں نثار کو بھی بے مقصد موت کے حوالے نہیں کر سکتے۔“

حیدر علی ٹیپو سلطان کی ذہنی تربیت کر رہا تھا۔ کبھی وہ اسے اپنے ساتھ رکھتا اور کبھی کسی محاذ پر چھوڑ دیتا تھا۔

بنگلور پہنچ کر نواب حیدر علی نے صلح کے لئے مادھوراؤ کے پاس اپنا وکیل بھیجا۔ جواب میں پیشوائے پونا نے ایک کروڑ روپے کی رقم کا مطالبہ کیا۔ شاید حیدر علی اس مطالبے کو تسلیم کر لیتا مگر مادھوراؤ نے بعض ایسی سخت شرائط بھی پیش کی تھیں جنہیں قبول کرنے کے بعد والی میسور، پیشوائے

پونا کا خراج گزار بن کر رہ جاتا۔نتیجتاً حیدر علی نے انکار کر دیا اور پیشوائے پونا کے قاصد سے صاف صاف کہہ دیا۔

"صلح اور غلامی میں بڑا فرق ہے۔میں نے صلح کی پیش کش کی تھی،غلامی کی درخواست نہیں بھیجی تھی۔ اب ہر حالت میں جنگ جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ مادھوراؤ، پونا کی طرف لوٹ جائے یا حیدر علی میدان جنگ میں قتل ہو جائے۔"

اپنے قاصد کی زبانی حیدر علی کا جواب سن کر مادھوراؤ نے بڑا خوف ناک قہقہہ لگایا۔

"یقیناً میں پونا واپس جاؤں گا۔مگر حیدر علی کی لاش کو اس کی سرزمین میں دفن کرنے کے بعد"،صلح کے مذاکرات میں ناکامی کے بعد پیشوا مادھوراؤ کی فوج دریائے تنگ بھدرا کے دامن سے نکل کر سرنگا پٹم کی طرف بڑھی اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام شمالی اور مشرقی علاقے فتح کر لیے۔ پھر مرہٹوں کا یہ ٹڈی دل لشکر نجنگل کے مقام پر آ کر رک گیا۔

نجنگل، بنگلور سے تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حیدر علی نے واپسی کے وقت تمام علاقوں کو لوٹ کر ویران کر دیا تھا،اس لئے پیشوا کی فوج کو رسد حاصل کرنا دشوار ہو گیا تھا۔

دوسری طرف ایک پہاڑی کی اوٹ سے حیدر علی کی فوج نے ہر رات شب خون مارنا شروع کر دیا تھا اور تیسری طرف قلعہ نجنگل کے سپاہی ایسی بے جگری سے مدافعت کر رہے تھے کہ مادھو راؤ کثرتِ افواج کے باوجود فتح حاصل نہ کر سکا تھا۔

ابھی قتل و غارت کا یہ ہنگامہ جاری تھا کہ برسات کا موسم شروع ہو گیا۔ پیشوائے پونا شدید موسم کی ان سختیوں کو بھی برداشت کر لیتا مگر اچانک اسے ایک سخت بیماری نے آ گھیرا۔

طبیبوں نے علاج شروع کیا مگر مرض روز بہ روز بڑھتا گیا۔

مجبوراً مادھو راؤ پونا کی طرف لوٹ گیا مگر جاتے جاتے اپنے وزیر اعظم نانا فرنویس اور سپہ سالار ترک راؤ سے کہتا گیا۔میں ان دو باتوں کے سوا کسی تیسری پر رضامند نہیں ہوں گا۔

"حیدر علی کی موت یا اس کی طرف سے پروانۂ غلامی"

پیشوا کی واپسی کی خبر سن کر حیدر علی نے کسی قدر سکون کا سانس لیا۔مگر والی میسور کا یہ سکون بہت عارضی تھا۔مادھوراؤ کے جاتے ہی سپہ سالار ترمک راؤ نے پوری فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور لشکروں کی تنظیم نو کرنے کے لئے پیچھے ہٹا۔

☆......☆......☆





وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارحابی

ان کی عمر ستر برس تھی۔ قرآن مجید ان کے سامنے موجود تھا۔ وہ تلاوت فرما رہے تھے کہ ایک آیت مبارکہ پر رک گئے۔

آیت مبارکہ یہ تھی:

"انفروا خفافا و ثقالا"

ترجمہ: "جہاد کے لیے ہر صورت میں نکلو خواہ تم ہلکے ہو یا بوجھل۔"

یہ آیت مبارکہ پڑھتے ہی ان کا جہادی ولولہ تازہ ہو گیا اور گھر والوں سے کہا:

"میرا سامان سفر تیار کرو!"

انھوں نے پوچھا:

"کہاں کا ارادہ ہے؟"

جواب دیا:

"جہاد فی سبیل اللہ کا۔"

گھر والوں نے یہ کہہ کر روکنا چاہا کہ آپ کمزور ہو چکے ہیں، بوڑھے ہو چکے ہیں، آپ نے تو پہلے بھی بہت مرتبہ جہاد میں شمولیت اختیار کی ہوئی ہے۔ مگر وہ نہ رکے اور سامان لے کر چل پڑے۔ ان دنوں مسلمان بحری جہاز کے ذریعے کہیں جہاد کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ یہ بھی چل پڑے اور اسی سفر میں وفات پا گئے۔ کئی دنوں کے بعد جہاز ایک جزیرے پر رکا اور وہاں ان کی تدفین کی گئی۔

جن صحابی کا آپ نے یہ قصہ پڑھا ہے، کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ اگر نہیں تو چند اشارے اور دیتے ہیں۔

وہ مدینہ منورہ کے تھے۔ انصاری مسلمانوں میں سے تھے۔ بیعت عقبہ میں شریک ہوئے تھے۔ غزوہ احد میں ان کی بہادری کے جوہر خوب کھلے تھے۔ بہترین تیر انداز تھے۔ تیر چلاتے جاتے تھے اور شعر پڑھتے جاتے تھے۔

یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی۔ وہ بلند آواز تھے، اس لیے غزوہ خیبر میں انھوں نے مسلمانوں کے درمیان یہ اعلان کیا تھا کہ آج کے بعد گدھے کا گوشت کھانا حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

یہی وہ ایثار کرنے والے صحابی ہیں جنھوں نے مہمان کو کھانا کھلانے کی خاطر اپنے بچوں کو بھی بھوکا سلا دیا تھا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا اور اپنے بال مبارک منڈوائے تو ایک طرف کے سارے بال انھی کو عنایت کیے اور وہ انھیں پا کر نہایت خوش ہوئے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو یہ نہایت غم زدہ رہنے لگے اور پھر اسی غم کی حالت میں ملک شام چلے گئے۔ جب وہاں بھی چین نہ ملتا تو ایک لمبا سفر طے کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دے کر دل ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کے درجات اور بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

نوٹ: ان صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بتایئے۔

شمارہ محرم الحرام کا درست جواب:
حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ محرم الحرام ۱۴۴۵ھ کے انعام یافتہ

ازکی بنت لطیف

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

بنت شہزاد۔ محمد احمد۔ زینب شفیق۔ محمد نسیم۔ عبد الاحد۔ دانیال حسن۔

بنت عبد الہادی۔ محمد اکرام۔ ہمشیرہ محمد نعمان۔ نوشیرواں عادل۔

عمار حسین۔ کفایت اللہ۔ محمد عمر چغتائی۔ عبد المجید شاکر۔ بنت عبد الرؤف۔



دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
میں نے آپ کو پہلی بار 7 سال کی عمر میں خط لکھا آپ کے خیال میں اب میری عمر کیا ہوگی؟

☆ساٹھ سال تو ہونی چاہیے۔

محمد عابد، کراچی

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
آپ ہر سوال کا جواب دیتے ہیں اپنے نام کا مطلب بتائیں؟

☆اس کا مطلب تو آپ نے خود بتا دیا اب میں کیا بتاؤں؟

عبداللہ، کوہاٹ

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!
ہر مشہور آدمی نے اپنی کتاب لکھی آپ نے کون سی کتاب لکھی اور اس کا نام کیا ہے؟

☆دانش کدہ

غلام نبی، کوٹ ادو

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

اگر آپ دنیا کے امیر ترین آدمی بن جائیں تو آپ میرے لئے کیا خریدیں گے؟

☆ جس چیز کی آپ کو ضرورت ہے بزرگ کہتے ہیں وہ خریدی نہیں جا سکتی۔

مسفرہ عاطف، اسلام آباد

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

وہ کونسا دن ہوتا ہے جس دن آپ ہر وقت ہنستے ہیں؟

☆میں کسی دن بھی پاگل نہیں ہوتا۔ الحمدللہ

نبیلہ طارق، کوئٹہ

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

خزاں کے موسم میں درختوں سے پتوں کی طرح آپ کے سر سے بال بھی گر جاتے ہیں لیکن درختوں پر بہار میں تو پتے اگتے ہیں آپ کے سر پر کیا اگتا ہے؟

☆عقل کے پھل اور دانش کے پھول اُگتے ہیں۔

محمد طلحہ زبیر، حیدرآباد

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سنا ہے چاند پر زمین فروخت کی جا رہی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

☆ اللہ کرے وہ ہماری زمین سے کہیں بھی دفع ہو جائیں۔

عبدالماجد، مینگچن آباد

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ! اس 14 اگست پر آپ کے محل میں پوں پاں کی آوازیں سنائی دیں تو آپ کیا کیا ردعمل ہوگا؟

☆ہمارا محل پوں پاں پروف ہے۔

حمنہ بلال، عائشہ بلال سرگودھا

☆......☆......☆

سوال: محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

مجھے باہر کے کھانوں کی لت پڑ چکی ہے بہت کنٹرول کیا مگر سب ناکام؟ کیا کروں؟ کوئی حل تجویز کریں۔

☆اس کا حل یہ ہے کہ آپ کو روزانہ گھر سے (لت) پڑنی چاہئے صبح، دوپہر، شام۔

محمد قاسم نبیل، بہاولنگر

☆......☆......☆



السلام علیکم!

امید ہے کہ ''مسلمان بچے'' کے تمام قارئین و حضرات اور مدیر صاحب خیر و خیریت سے ہوں گے اور اگلے شمارے کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔

محرم کا شمارہ بہت زبردست رہا۔ ہمشیرہ کمانڈر اسرار شہیدؒ کی کہانی بہت عمدہ تھی، ''محمد فیصل علی'' کی کہانی بھی بہت عمدہ تھی، ''محمد ابوبکر'' ''لائبہ خان'' ''دانیال حسن'' اور دیگر قارئین و حضرات کی کہانی انگوٹھے میں نگینے کے مترادف ہے۔

''جانباز'' کا کتابی صورت میں شائع ہونا ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے۔

محترم جناب! میرا اس رسالے میں یہ دوسرا خط ہے، میرا پہلا خط بھی شائع ہوا تھا جسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس کے علاوہ میں نے ایک آرٹ بھی بھیجی ہے، یہ خط اور آرٹ کو شائع فرما کر ہمیں دوبارہ لکھنے کا موقع دیجیے گا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو بہت ترقی دے۔ آمین۔

والسلام، لقمان شاہنواز

☆......☆......☆

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سب سے پہلے سلام عرض، محرم الحرام کا شمارہ ہاتھ میں ہے، آپ یہ ہی سمجھیں کہ ابھی تک ہم نے مطالعہ نہیں کیا، مطالعہ تو ہم پہلے دن ہی ہم مکمل کر لیتے ہیں اور جب شمارہ مکمل کر لیں تو دل کرتا ہے کہ سارے سال کے شمارے اکٹھے آجائیں اور بندہ پڑھے مگر دل کی کیا وہ تو کچھ بھی کہتا رہتا ہے۔ تو اب آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ تبصرے کے لیے شمارہ ہاتھ میں ہے، اور اس وقت جس جگہ میں بیٹھا ہوں سرگودھا کے ایک چھوٹے سے گاؤں ڈیرہ قدیم گرمیوں کا موسم بہت اچھا ہے، ہلکی ہلکی بارش ہے اور سموسوں کے لیے بہت دل کر رہا ہے لیکن بارش ہے اور آپ کو تو پتا ہے بارش میں باہر نکلنے

سے کانپیں ٹانگ جاتی ہیں، اس کے علاوہ ایک شکایت ایک نہیں بلکہ دو شکایتیں اور بھی، اچھا چلو دو بہت ہیں ورنہ مدیر صاحب کا کوئی پتہ نہیں، تو پہلی شکایت یہ ہے کہ مدیر صاحب شاید آجکل بہت مصروف ہیں، خطوط کا جواب بھی نہیں دیتے چاہے سوال طلب ہی کیوں نہ ہو، غصہ مت ہوئے میری حقیر سی التجاء ہے۔

اب آتے ہیں دوسری شکایت کی طرف وہ یہ کہ ہمیں معلوم ہوا کہ ''جانباز'' کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے، ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا وہ بھی ہمیں تسلیمہ موسیٰ صاحبہ کے خط سے معلوم ہوا اس بات کی تصدیق کر دیجیے گا مدیر صاحب اور اگر کتاب شائع ہو چکی ہے تو ملنے کا پتہ بھی بتائیے گا اور تسلیمہ موسیٰ صاحبہ سے گزارش ہے کہ ہمیں بھی بتائیے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

پلیز اگلے شمارے میں جواب دیجئے گا تا کہ ہم بھی رسالے کے بارے میں نئی معلومات حاصل کر سکیں۔

اس کے علاوہ شریف خاندان کے لئے دعا کیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب فرمائے، جو ظاہری طور پر تو ناممکن نظر آتی ہے لیکن اللہ کے آگے کیا دیر ہے۔

والسلام، محمد عمیر شاہ، ڈیرہ قدیم

☆......☆......☆

☆ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
آپ یہ کتاب خریدنے کے لیے ''مکتبہ ابن مبارک'' سے رجوع کریں۔ مکتبہ کا واٹس ایپ نمبر شروع میں دیا گیا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہونگے۔ طویل عرصے کے بعد حاضری کا موقع ملا ہے۔ اس دورانیے میں لکھنے کا موقع بالکل ہاتھ نہیں لگا۔

شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ جیسے نکمے کو بھی اپنے شمارے کا حصہ بنایا ہے اور بہت جلدی اپنے شمارے میں جگہ دی ہے ورنہ یہ بات دوسری رسالوں میں بہت کم ہے۔ جزاک اللہ

ماشاء اللہ محرم کا رسالہ بہت شاندار تھا اللہ سب قارئین مزید لکھنے کی توفیق دیے، آمین

والسلام، نعمان بشیر

☆......☆......☆

السلام علیکم

کے بعد عرض ہے کہ اتنا رسالہ اچھا ''مسلمان بچے'' نکالنے پر آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ تقریبا تمام رسالہ میں مضمون بامقصد اور پر اثر ہوتے ہیں۔ جب ایک بار رسالہ ہاتھ میں آتا ہے تو آپ کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔ اور پورا پڑھے بغیر رکھنے کو دل نہیں کرتا۔

تمام قارئین سے گزارش ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے سوچیں......کہ ہم لوگ آرام وسکوں سے اپنے

گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں سخت سردی میں بستروں میں گھس جاتے ہیں۔ لیکن ان مجاہدین اسلام کو میرا سلام...... اللہ اکبر...... جو اس سخت گرمی میں اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے اپنے ذہن وجسم کو تیار کر رہے ہیں۔ اور کئی کشمیر و کے محاذوں پر داد شجاعت دے رہے ہیں۔ کیا ان کو گرمی سردی نہیں ستا رہی؟ کیا انہیں آرام پسند نہیں؟

☆ دوسری بات کہ جب بھی کسی محفل میں مجاہدین یا جہاد کے موضوع پر بات ہو رہی ہو اور کوئی شخص مجاہدین یا جہاد پر اعتراض کرتا نظر آئے تو وہاں بالکل نہ شرمائیں۔ ورنہ قیامت کے دن پوچھ ہو گی۔ کیونکہ ان کا مطالعہ جہاد پر نہیں ہوتا...... آپ تو ماشاء اللہ "مسلمان بچے" "بنات عائشہؓ" اور "مدینہ مدینہ" میں پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ اس جگہ حق بات ڈٹ کر کہیں۔ اس سے کئی لوگوں کے ذہن انشاء اللہ صاف ہوں گے۔ جو لوگ آپ کی حق بات سے راہ راست پر آگئے وہ آپ کے لئے ذخیرہ آخرت ہوں گے۔

☆ آپ اس رسالہ میں ایک نیا سلسلہ "مساجد و مدارس" کا شروع کریں۔ جس میں ایک دو "مساجد و مدارس" کی تصویر، ان کے بارے میں مکمل معلومات۔ اگر مدرسہ ہے تو اس کا مختصر تعارف وغیرہ۔ یہ بہت ہی پرکشش اور لوگوں کی توجہ کے لئے فائدہ مند رہے گا۔ کیونکہ اکثر مساجد و مدارس کا پتا نہیں ہوتا۔ وہ تو شکر ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات مل گئے ورنہ کہاں کہاں بھٹکتے۔

یہ میں نے اپنے دل کا حال بیان کیا ہے۔ اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ضرور آپ کو مساجد و مدارس کا تعارف کرنا پڑے گا۔ بلکہ آپ علم میں بڑے ہیں ہم صرف شکوہ دے سکتے ہیں۔ باقی آپ کی مرضی جیسی بھی ہو ہمیں قبول ہے۔

والسلام: (آصف خان)

☆......☆......☆

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

"مسلمان بچے" نام سنتے ہی ہاکر سے طلب کیا، ہاکر نے محرم کا رسالہ تھما دیا۔ پہلی نشست میں سارا رسالہ پڑھ ڈالا۔ غرض سارا رسالہ بہت ہی اچھا لگا۔ سبھی مستقل سلسلے بھی اچھے اور "آدمی ملاقات" میں تمام خطوط کے نیچے جوابات تو سونے پر سہاگہ، بہر حال ہم مسلمان بچے کے بالکل نوزائیدہ قاری بن گئے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم قاری بنتے ہی لکھاری بن جاتے ہیں۔

نیز اس رسالے میں لکھنے کے کچھ اصول بھی بتا دیجئے۔

والسلام، راشد اقبال (آئی، یو، بی)

☆......☆......☆

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محترم! ماہنامہ مسلمان بچے نہ صرف بچوں کے لئے بلکہ بڑوں کے لئے بھی ایک پرکشش مرقع ہے جو نہ صرف اسلام کے محاسن اور اس کی مبارک تعلیمات کا عام فہم مبلغ ہے بلکہ اسلاف واکابر کے مسلک اعتدال کا پاسدار اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ طفلانِ معصومین کے شفاف قلوب و اذہان میں ''حفاظت اسلام'' کا حسین عزم پیدا کرنے کے لئے کسی اکسیر سے کم نہیں ہے۔ سبق آموز لطائف، سنجیدہ تحریرات، اور'' امیر الجہادؒ'' کی حیات اسارت کی داستان اسے نہایت پرکشش بنا دیتی ہے۔ جو کہ فحاشی وعریانی کے سیل تندور کے آگے بند باندھنے کی ایک حسین اور مضبوط'' کاوش'' ہے انہی خصوصیات اور آپ کے ''خلوص'' کی بدولت ماہنامہ''مسلمان بچے'' فرضی ناولوں اور جھوٹے قصص پر مشتمل رسائل و ڈائجسٹ سے مزہ دیتا ہے۔ نہ صرف بچے بلکہ بڑے بھی اس کا بے تابی و بے چینی سے انتظار کرتے ہیں۔ اس مرقع بے بدل کے لئے ایک کتبہ ارسال ہے۔ امید ہے کہ حضور قبول فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

والسلام، واجد لیسین (بہاولپور)

☆......☆......☆

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے اور اپنے کام بخوبی سر انجام دے رہے ہوں گے خدائے بزرگ و برتر سے یہی التجا ہے کہ جہاں رہیں خوش رہیں۔ محرم کا شمارہ پڑھا خط لکھنے پر مجبور ہوا آپ نے امت مسلمہ کی بھلائی اور خیر خواہی کے لئے ایک اہم کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ اللہ آپ کو اس میں استقامت نصیب کرے مجھے یقین ہے ایسے لوگ جو امت کا غم کھاتے ہیں یقیناً وہ روز قیامت نور کے ممبروں پر ہوں گے۔

آج کل قرآن مجید کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا جارہا ہے اور مسلمانوں کے مرکز محبت حرمین شریفین کے خلاف جو زہر اگلا جارہا ہے یقیناً وہ ناکام ہوگا کفر مٹ کر رہے گا کفر کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مایوسی کی شکار ہیں ہمیں مایوسی کے بادلوں کو دور کرنا ہوگا وقتی طور پر آزمائش آتی ہے لیکن جب مسلمان اللہ سے توبہ کرتے ہوئے کفر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو یقیناً کامیاب ہوجاتے ہیں وہ وقت دور نہیں جب مجاہدین کی ایک جماعت شام تک فتح کرتی جائے گی اوران کفار کا نام ونشان نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مسعود ازہر دامت برکاتہم کا حامی و ناصر ہو اور مجاہدین کو استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

مسلمان بچے کے توسط سے تمام مجاہدین کو السلام علیکم میرے لئے فقط دعا فرمادیں۔

والسلام

(رانا یاسر)

☆......☆......☆

آپ کی پسند

شہراماں

تم شہر اماں کے رہنے والے، درد ہمارا کیا جانو
ساحل کی ہوا تم موج صبا، طوفان کا دھارا کیا جانو
انجام سفر ایمان و یقین، انجام عمل اک شام حسیں
بن دیکھے حسن کی منزل کو، یہ رستہ پیارا کیا جانو
تم شہر اماں کے رہنے والو، درد ہمارا کیا جانو
رستہ ہی یہاں خود منزل ہے
ٹھوکر ہی یہاں ایک حاصل ہے
سود و زیاں گننے والو، کس نے ہے پکارا کیا جانو
تم شہراماں کے رہنے والے، درد ہمارا کیا جانو
ان راہوں میں فردوس بریں، ان گلیوں میں جنت کے مکیں
ان تیکھے الجھے رستوں میں، ہے کون سا پھارا کیا جانو
تم شہر اماں کے رہنے والو، درد ہمارا کیا جانو
سمجھے ہیں جسے گلزار سبھی، اک آگ ہے عصر حاضر کی
تمہید سے تم گزرے ہی نہیں، اب قصہ سارا کیا جانو
تم شہر اماں کے رہنے والے، درد ہمارا کیا جانو
اے قیس عصر کالج میں، چھ چار جماعتیں پڑھ بیٹھے
تم واقف نقش رنگ حنا، خون کا فوارہ کیا جانو
تم شہراماں کے رہنے والے، تم درد ہمارا کیا جانو

(انتخاب: بنت کلثوم)

☆......☆......☆

ذرا جاگ

اسلام پہ ہر سمت سے یلغار ہوئی ہے
اب کس لیے سوئی تیری تلوار ہوئی ہے
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
پانی کی طرح بہتا ہے مسلم کا لہو اب
معلوم نہیں کس لیے خاموش ہے تو اب
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
اے غیرت مسلم تجھے اب جاگنا ہوگا
اور کفر کو میدان سے اب بھاگنا ہوگا
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
اللہ تیرے دل کو تڑپنے کی عطا دے
تو بھول چکا جو وہ یاد دلا دے
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
اسلام پہ ہر سمت سے یلغار ہوئی ہے
اب کس لیے سوئی تیری تلوار ہوئی ہے
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ
اے غیرتِ مسلم فی اللہ ذرا جاگ

(انتخاب: ہمشیر محمد احمد)

☆......☆......☆

ہمارا قبلہ اول

ہماری مسجد اقصیٰ ہمارا نور حیات
ہمارا قبلہ اول ہمارے دل کا ثبات
وہ ارض پاک فلسطین پیغمبروں کا مقام
جہاں رکے شب اسریٰ حضور خیرانام
وہ بندگی سے بھی اونچا مقام ٹھہرا ہے
جہاں یہ کون و مکاں کا امام ٹھہرا ہے
ستم گروں کا نشانہ یہ ارض جلوہ نواز
ہوا جہاں سے ہے معراج عشق کا آغاز
جہاں بلند ہوئیں تھیں ہماری تکبیریں
وہیں پہ چھلتی ہیں ہم پر عدو کی شمشیریں
پکارتی ہیں مسلمانوں کو اب وہ تکبیریں
کہ جن کے زور پر بدلی تھیں تقدیریں
بہار آئی ہے باطل کے آستانوں میں
نہیں ہے روح بلالی مری اذانوں میں
جمے ہوئے ہیں وہاں اسرائیلوں کے قدم
جہاں ہے قبلہ اول خدا پاک کا حرم
خدائے پاک سے رشتے کو استوار کریں
خدا کے بعد محمد ﷺ پر جان نثار کریں
(انتخاب: راجہ شفیق)

☆......☆......☆

غیبت زبان کی

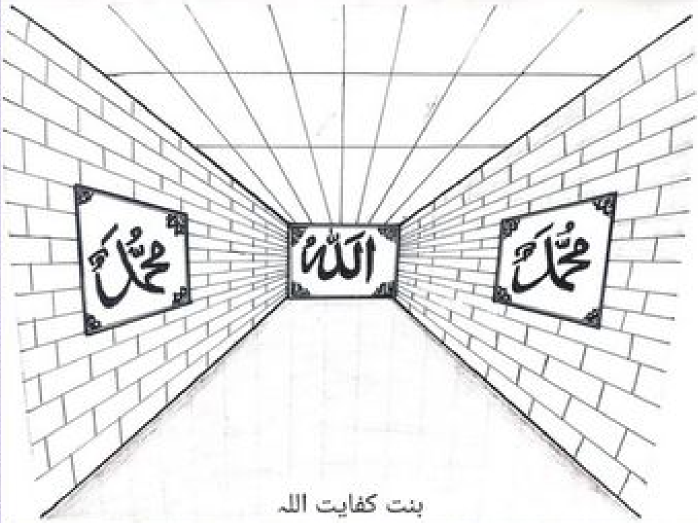
کچا گوشت وہ بھی بھائی کا کھاتے ہو تم
پی کے خون بوٹیوں کو چباتے ہو تم
اپنی پھونکوں سے دوزخ جلاتے ہو تم
نہ جانے کس کس کو دن میں ستاتے ہو تم
زباں قینچی سے بڑھ کر چلاتے ہو تم
گناہ پر ہنس کر مزے سے ہنساتے ہو تم
ایسے کھیلوں سے ایماں گنواتے ہو تم
تلاش کرتے ہو عیب پھر بتاتے ہو تم
سوچو کس چیز سے دل بہلاتے ہو تم
لے کہ منہ میں چھری لب ہلاتے ہو تم
خون کے لوتھڑے تم چباتے ہو کیوں
یہ غلاظت مزے سے تم کھاتے ہو کیوں
زبان کے نشتر خوشی سے چلاتے ہو تم
چپکے چپکے سے کانٹے بچھاتے ہو تم
کرکہ نیکی مزے سے اڑاتے ہو تم
پھر بھی مومن کے مومن کہلاتے ہو تم
یاد رکھو کسی کا نہ بگڑے گا کچھ
اپنے ہاتھوں سے گھر کو جلاتے ہو تم
(انتخاب: محمد ابوبکر)

☆......☆......☆

تعریف صحابہؓ

اللہ نے زینت بخشی ہے افلاک کو روشن تاروں سے
اسلام نے عزت پائی ہے محبوب خدا کے یاروں سے
بوبکر وعمر ہیں سمع وبصر عثمان وعلی ہیں قلب وجگر
حضرت ﷺ کے ہیں منظور نظر
ہو کیوں نہ محبت چاروں سے
ہوئے ہیں خفا کیوں پوچھو تو ذرا اغیاروں سے
تعریف صحابہؓ ثابت ہے قرآن کے
تیسوں پاروں سے کس سے مانگو
موت سے نہ حیات سے مانگو
نہ سحر سے نہ رات سے مانگو
جو بھی کچھ مانگنا ہے اے لوگو!
خالق کائنات سے مانگو
(انتخاب: بنت شفیق)

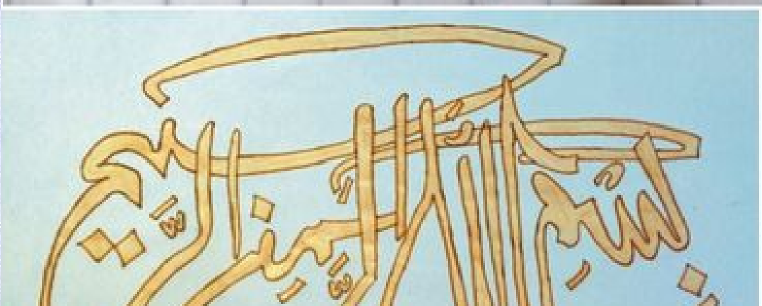
آرٹ گیلری



بنت کفایت اللہ

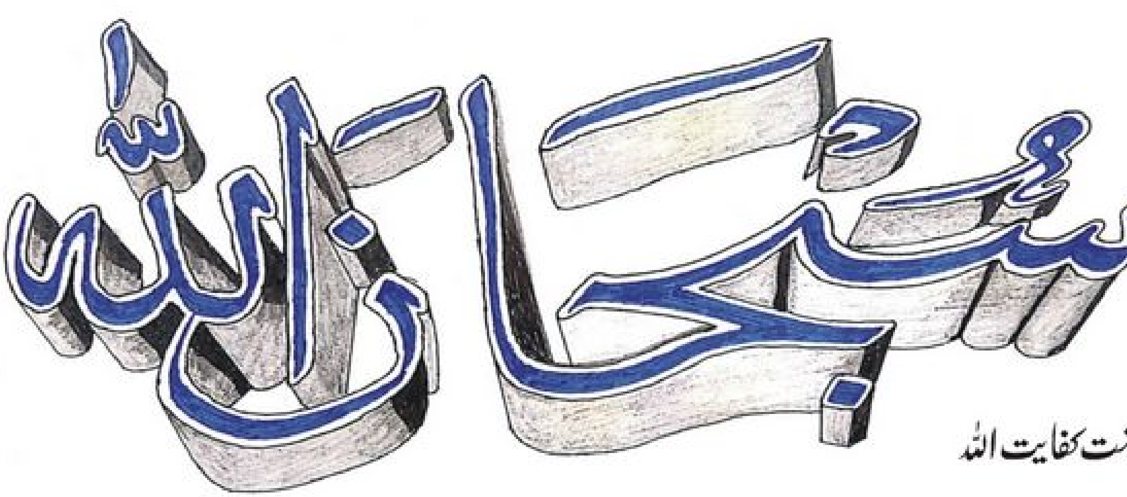






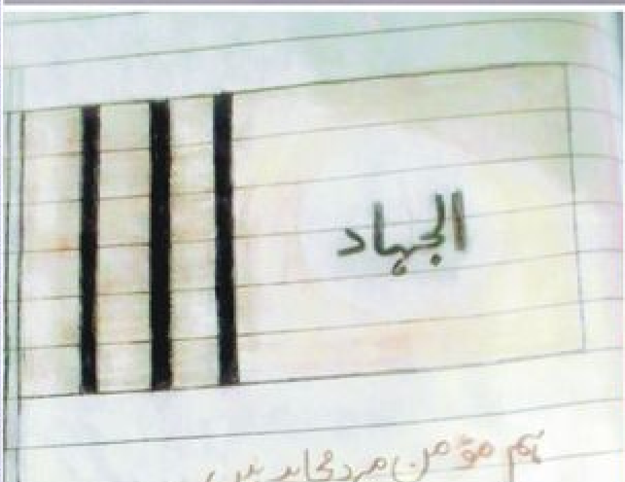
حفصہ حمیرا بنت عبداللہ طارق

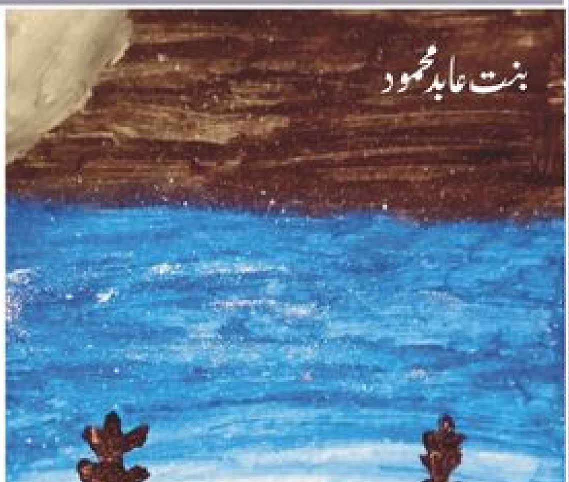


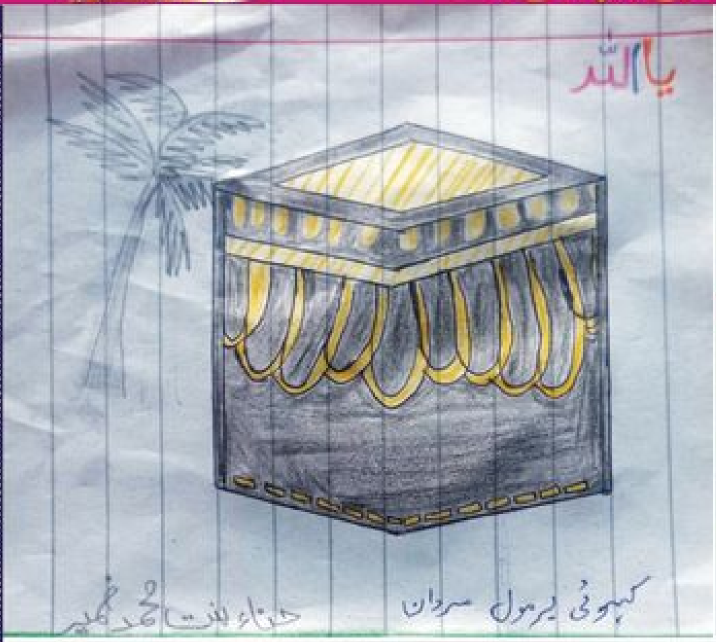


بنت کفایت اللہ








یا اللہ






حضرت سیدنا
عمر فاروق
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بنت انعام

انتخاب: عائشہ بنت جواد

فتح الجواد کی خوشبو

فتحِ جواد کی خوشبو کا سفر جاری ہے
اہلِ گلشن پہ عجب مستی و سرشاری ہے

پشتو، عربی کبھی انگلش کا لیے پیراہن
کرۂ ارض پہ چھا جانے کی تیاری ہے

ترجماں دردِ مسعود کے مسعود رشید
پیار کا یہ بھی تو انداز وفاداری ہے

ہر جگہ پہنچے گا اب جلد یہ پیغامِ جہاد
سارے عالم کی فضاء میں یہی بیداری ہے

وصلِ حق کے لیے بیتاب ہیں مردانِ وفا
مقتلِ عشق ہے، جنت کی خریداری ہے

بوکھلاہٹ میں عدو ہے سگ زخمی کی طرح
ہے صلیبی کہ یہودی کہ وہ زناری ہے

وادیٔ کفر میں ماتم کا سماں ہے انورؔ
صفِ باطل پہ عجب خوفِ نزع طاری ہے